U0098

مقدمہ

تفسیر الفرقان

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۱۷ھ

قیمت ۱۲ ماہ معہ محصول ڈاک [illegible]

ماہواری چار جزو

در کرزن پریس واقع دہلی بطبع متین مقبول جہاں شد

جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں

قیمت فی ما ....

علم اُن کے لئے حقیقی بن سکتا ہے جو اُس سے خبرت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں احتیاط اور روشن ضمیری کی ضرورت ہے۔ اور اگر روشن ضمیری اور احتیاط سے کام نہ لیا گیا تو حقیقت بھی مجاز کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور پھر اس سے بھی گر جاتی ہے۔

علم کا سرچشمہ اور علم کی محک دو مختلف چیزیں ہیں۔ سابق الذکر سے تم علم کو حاصل کر سکتے ہو اور آخر الذکر سے اُس کو پرکھ سکتے ہو۔ یہ یقین کہ تمہارا سرچشمہ علم حقیقی ہے محض ایک قیاس ہی قیاس ہے اور اس خیال کا سفسطہ بدیہی ہے اسلئے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ انسان خطا اور نسیان سے بنا ہوا ہے۔ سرچشمہ علم میں خود ایک حقیقت موجود ہے ہاں جو علم اس سے پیدا کیا جاتا ہے زیادہ تر اس کا انحصار روشن ضمیری پر ہوتا ہے جس درجہ کی روشن ضمیری ہو اسی قدر اس سے خبرت حاصل ہو گی۔ الہام بجائے خود حق ہو سکتا ہے مگر وہ علم جو تم اس سے حاصل کرتے ہو محض تعصب ہو سکتا ہے۔ خالص مذہب حق ہو سکتا ہے پھر بھی تمہارا مذہب محض تعصب بن سکتا ہے۔ وہی استدلال بجائے خود حق ہے اور پھر بھی ہمارا استدلال خیال باطل بن سکتا ہے۔ ایسا رہنما کہاں ہے کہ سائنس دانوں کی راہ مستقیم کی طرف رہنمائی کرے۔ وہ محک کہاں ہے جو صداقت کو تمام خیالی نا راستیوں سے علیحدہ کر کے نکال لے۔ وہ بنیاد کہاں ہے جہاں مختلف خیالات کے لوگ دوستانہ طور پر اپنی عمارتیں بنائیں ایک دوسرے کے ممد و معاون بنیں اپنی اغلاط کی اصلاح کریں۔

کیا یہ واقعی بات نہیں ہے کہ مغربی علم طبیعی کے ماہروں نے سائنس کے اس پہلے مسئلہ کی طرف مطلق توجہ نہیں کی ہے جبکہ وہ شیخی مارتے ہیں کہ ہم نے سائنس کو تکمیل کی حد تک پہنچا دیا ہے موجودہ ماہران علم طبیعی فلاسفہ اور مذہبی سرگروہوں نے سائنس کے اس وسطی پہلو سے بالکل اپنا پہلو بچایا ہے اور اخیر شل شرادیں کے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو رہے ہیں غالباً پہلے یہ بات ہرگز نہ تھی۔ روحانی حکمائے جہاں طبیعات اور فلسفہ کو دیکھا ہے وہاں مذہب کی بھی پہلو بہ پہلو رکھ کے جانچ کی ہے۔ سب سے پہلے اُنہوں نے اسی اہم اور ضروری مسئلہ کی چھان بین کی اور اس کی کامل تحقیقات کے بعد مخلوق کے لئے حقیقت اور معرفت کے رستے کھول دیئے۔ ان روحانی حکما کی تعلیم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔ اُنہیں روحانیات ہی کا علم نہیں تھا بلکہ وہ فلسفہ اور طبیعات کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ فلسفہ علم کی اُس شاخ کو کہتے ہیں جو اُن مشروط صداقتوں اور اشکال کی تعلیم کرتی ہے جو غیر مشروط صداقت یا حقیقت میں پنہاں ہیں۔ غیر مشروط صداقتوں کو عام طور پر بحیثیت مشروط صداقتوں کے جانا گیا ہے۔ ہم یہاں صداقت کا لفظ اسکے عام معنی میں استعمال کرینگے تاکہ طرفین کی غلط فہمی دور ہو سکے اور غیر مشروط صداقت کا بطور روح صداقت امتیاز ہو سکے فلسفہ کی اب یہ تعریف ہو گی فلسفہ علم کی وہ شاخ ہے جو روح صداقت کی تعلیم کرتا ہے اور تمام صداقتوں کی اُسی کی ذات سے دستگیری ہوتی ہے۔ اگر آپ روح صداقت کو جاننا چاہیں تو آپ کو لازم ہے کہ آپ اُس صداقت کو جانیں جو روح صداقت کے لقب سے ملقب ہوتی ہے۔

روح صداقت کسے کہتے ہیں۔ یا جسطرح ایک فلسفی تعبیر کرتا ہے۔ حقیقت اور ماہیت جو تمام اشکال و حادثات طبیعات میں پنہاں ہے کیا چیز ہے؟ مغربی فلاسفہ نے نہایت تندہی سے اس مسئلہ کو چھانا ہے اور بڑی دشواریوں کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نہ مادّہ ہے نہ ضمیر ہے۔ اس نتیجہ پر بہت بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اور خوب رد و قدح ہوا اخیر اس زمانہ کے مسلّم فلاسفہ نے اُسے تسلیم کرلیا۔ اگر ہم اُن کی رایوں کی بطور خود جانچ پڑتال کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں اختلاف رائے بہت بڑا ہے۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ روح صداقت کا کوئی پتہ ہی نہیں لگ سکتا کیوں کہ یہ نہ مادّہ ہے کہ اسے کوئی جان سکے اور نہ ضمیر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر روح صداقت علم میں آسنے کے قابل ہوتی تو کیا تو یہ ضمیر ہوتی یا مادّہ ہوتی مگر ایسا خیال کرنا ہماری کم فہمی ہے۔ یہ کیوں کر قید لگائی جاسکتی ہے کہ جو چیز مادّہ اور ضمیر دونوں ہی نہ ہو کبھی اُس کا علم نہیں ہوسکتا صرف ایک قیاس پر ہم اپنے تفحص کو کیوں مقید کردیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ جو اس خط سے پھلانگ کے آگے پہنچے ہیں اس کی نسبت اُن کی کیا رائے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روح صداقت مثل مطلق قانون کے جانی جاسکتی ہے۔ یہ نہ مادّہ ہے نہ ضمیر ہے بلکہ کبھی تو یہ بحیثیت مادّہ کے حیات کی خارجی سطح پر اپنے کو نمایاں کرتی ہے اور کبھی بحیثیت ضمیر کے زندگی کی داخلی سطح پر نمایاں ہوتی ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ انسان کا ضمیر کس قسم کا ہو جو اُس قانون کا علم حاصل کرے جس قانون کو ضمیر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے جس چیز کی کہ انسان جانچ کرسکتا ہے یہ وہی چیز ہوسکتی ہے جسکا تعلق ضمیر سے ہو یا جو ضمیر کا ایک جزو ہو۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ قانون کی جانچ ضمیر کرسکتا ہے تو پھر قانون کے مُطلق ہونے کی صفت زائل ہوتی ہے اور مطلق کے لفظ میں تبائن کلّی پیدا ہوجاتا ہے سوال صرف یہ ہے کہ ضمیر قانون کا کیوں کر ادراک کرے جبکہ قانون اُس کا کوئی حصّہ نہیں ہے۔ یہ نہایت ہی مشکل بات ہے اور قریب قریب یہ مسئلہ لاحل سا معلوم ہوتا ہے تاہم اس پر بحث کی جاتی ہے شاید۔ ایک حد تک سلجھ جائے اور کسی درجہ تک سمجھ میں آجائے۔ وجہ کیا کہ ہم مطلق قانون کو غیر مشروط صداقت نہ کہیں جبکہ گزشتہ زمانہ میں اس کی ہستی تھی موجودہ زمانہ میں یہ موجود ہے اور اسیطرح آئندہ زمانہ میں بھی یہ قایم رہے گا یہ کلّیہ بھی ہے اور غیر تبدیل بھی ہے اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ قانون ہی روح صداقت ہے اور ہم مذکورہ بالا استدلال سے اسے معیار صداقت کہسکتے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ علمی تحقیقات میں صداقت کی معیار کو استعمال کرنے کا طریقہ ہے۔ اس کی ہم یوں توضیح کرینگے۔ ہم نے ادراک سے ایک حادثۂ طبیعی کو وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھا اگر ہم ہمیشہ اسے یوں ہی ظہور پذیر ہوتا ہوا دیکھیں تو ہمارا یہ ادراک بجائے خود ایک صداقت ہے۔ کسی خاص امر میں ہمیں استدلال سے ایک نتیجہ معلوم ہوگیا تو یہ استدلال ہمارا اُس وقت تک صحیح ہے کہ جب تک اُس سے ایسے ہی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ایک عقیدہ پر جو اصول قایم کیا گیا ہے وہ حق ہے بشرطیکہ وہ عقیدہ اُس اصول میں قضیۂ مطلق ہو۔ ایک مصنف کی رائے حق ہے بشرطیکہ دیگر مصنفین بھی اُس کی رائے سے اتفاق کریں۔

اگر ایک حادثۂ طبیعہ کا وقوع خاص حالتوں میں بیان کیا جائے مگر پھر دوبارہ اُس کا وقوع اُن ہی حالتوں

میں نہ ہو خواہ وہ حادثہ طبیعہ خیالی ہو یا اُن حالتوں کی توضیح کرتا ہو جن میں اُس کا وقوع ہوا ہے وہ کبھی بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

اگر چند عالم ایک ہی اصول سے مختلف نتائج پیدا کریں اُن کی منطق غیر قابل یقین اور اُن میں سے ایک بھی راہ حق پر نہیں ہے جب تک اُن میں سے ایک عالم یہ ثابت نہ کر دے کہ باقیماندہ علما نے منطق میں یہ غلطی کی ہے۔

اگر ایک ہی پہلو پر مختلف لوگوں کے مختلف عقائد ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب عقاید باطل ہیں۔ ایک شخص کو جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میرا عقیدہ حق ہے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان ان وجوہات سے اوروں کے عقائد باطل ہیں بعض کا یہ خیال ہے کہ صداقت جماعت سے پیدا ہوتی ہے یعنی ایک کثیر گروہ کی کسی خاص مسئلہ پر کوئی رائے ہونا ہرگز اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ مسئلہ حق ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ چند آدمیوں کا خیال بمقابلہ گروہ کثیر کے ہمیشہ ہی غلط ہو۔ ہمیں روشن ضمیری سے ہر ایک کی اغلاط کو جانچنا چاہئے اور ہر ایک کے عقاید کی ماہیت پہچاننی چاہئے یہ فی الحقیقت ایک دشوار گزار مرحلہ ہے اور اس کا طے کرنا ایک کٹھن کام ہے۔

مسئلہ دوم

ایک عالم کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ وہ سیار صداقت کی ماہیت پہچانے جس کا ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا مسئلہ جو اس کے لئے بہت ہی ضروری ہو وہ ایسا طریقہ تحقیق ہے جو عام فہم اور عام پسند ہو جب تک وہ اپنے طریقہ تفحص میں صراط مستقیم نہ پیدا کرے گا کبھی مخلوق کی طبایع اُسے قبول نہیں کرینگی پھر ایسا کونسا طریقہ پسند کرنا چاہئے یا بالفاظ دیگر علمی تحقیقات کا بہترین طریقہ کونسا ہے؟ یہ سوال ہے جو اس وقت پیش نظر ہے

بعض علما کا بیان ہے کہ قاعدہ استقرائی کو قاعدہ علمی کہتے ہیں اسکے علاوہ اور تمام قاعدے لغو اور بے بنیاد ہیں۔ علما کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ علم استقرائی سے صرف صداقتوں کی ماہیت جان سکتے ہیں جس سے حیات اور ضمیر کے ضروری مسائل کا بہت تعلق ہے غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علم استقرائی کے معترفوں میں ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے اور اسلئے علوم جدید کے ماہروں سے صراط مستقیم بہت دور رہ گئی ہے۔ اُن کا یقین ہے کہ علوم جدیدہ خالص استقرائی ہیں۔ ایسے یقین کی بنیاد کسی عمدہ اصول پر نہیں معلوم ہوتی تفحص کے ضروری قواعد کی بنا پر علوم جدیدہ نے کامیاب ترقی کی ہے لیکن وہ قواعد جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں استقرائی نہیں ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ قاعدہ ہے جس کی استقرائی اشکال مبہم ہیں۔ اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ علوم جدیدہ کا قاعدہ خالص استقرائی ہے پھر بھی اس سے یہ تو ہرگز لازم نہیں آسکتا کہ اور قاعدے جو اس کے علاوہ ہوں لغو ہیں۔ علم کی روح کو تفحص کے دوسرے طرق کے ساتھ کچھ مباینت نہیں ہے۔ بلکہ تحقیق

کی ہر شاخ میں علم واقعات کے سلسل انکشاف کا نام ہے ۔ جو قاعدہ تحقیق کی خواہ کسی شاخ میں واقعات کی سلسل توضیح انکشاف کی طرف رہنمائی کرے وہ بھی علمی قاعدہ ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک شخص نے اپنی تحقیق میں دوسرے قواعد سے کام لیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک قاعدہ غلط قرار دیدیا جائے اور صرف ایک ہی قاعدہ یا طریقہ پر صداقت کی مُہر لگ جائے ۔ قدیم حکما کی تو یہ نادانی تھی کہ انہوں نے استقرائی قاعدہ کو لغو ٹھیرایا تھا اور موجودہ حکما کی یہ حماقت ہے کہ انہوں نے قیاسی کو ہیچ اور پوچ سمجھ رکھا ہے ۔ ہم سے بیان کیا جاتا ہے کہ قیاسی قواعد اس لئے لغو ہیں کہ یہ کسی علمی بنا پر نہیں ہیں ۔ یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ اگر قیاسی قواعد علمی بنیاد پر نہ ہوں تو انہیں ضرور لغو ہونا چاہئے ۔ کیوں کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ قاعدہ علمی بنیاد پر نہیں ہے تو وہ آپ سے آپ لغو ہوا ۔ اس کی لغویت سے کون انکار کرسکتا ہے ۔

اب ہم علم کے قواعد کی جانچ کرتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کے تعصب یا خودرائی کو دخل نہیں دینگے بلکہ علم کے ہر طریقہ کی انصاف سے جانچ کریں گے ۔ یہ عالمگیر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ تمام قیاسی علوم غیر مستحق نتائج سے پیدا ہوئے ہیں تحقیق کی وہ شاخ جو محض قیاس کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہے کبھی علمی نہیں ہوسکتی ۔ ایسی تحقیق کے نتائج لغو ہوں گے تاہم اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ تفحص کا قیاسی طریقہ لاطائل بنیاد پر مبنی ہے ۔ ہر تحقیق میں دو ضروری امور غور طلب ہیں اول تو وہ طریقہ اور پھر وہ مواد جس پر اس کی بنا ہے اس صورت میں اگر مواد وہ نہیں ہے جو ہونا چاہئے تھا تو یہ محض ایک قیاس ہی قیاس ہے خواہ کتنا ہی عمدہ طور پر اسے ثابت کیا جائے ۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے تحقیق کے نتائج غلط ثابت ہوں گے لیکن اس سے یہ کبھی لازم نہیں آتا کہ طریقہ تفحص خود اس کے جوہروں اور خصوصیات سے جانچا جاتا ہے ۔ طریقہ استقرائی اور طریقہ قیاسی میں یہ فرق ہے جو بیان کیا جاتا ہے ۔ سابق الذکر طریقہ تو خاص سے عام سچائی کی طرف رہبری کرتا ہے اور آخر الذکر طریقہ عام سے خاص کی طرف یعنی ایک عمومیت پیدا کرتا ہے اور دوسرا خصوصیت کی طرف لیجاتا ہے مثلاً پچاس آدمیوں کی ایک جماعت لو اگر ہم اس جماعت میں سے ایک ایک شخص کو پورے طور پر جانچیں اور دیکھیں کہ ہر شخص پر عرب ہونے کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پوری جماعت کی جماعت عربوں ہی کی ہے اسی کو قاعدہ استقرائی کہتے ہیں جو خاص سے عام کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔ اب دوسری شکل بھی دیکھنی چاہئے اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ اس کل جماعت میں عرب ہی عرب ہیں تو ہم کہسکتے ہیں کہ اس جماعت کا ہر خاص شخص عرب ہے ۔ جو قاعدہ ہم نے یہاں استعمال کیا وہ قیاسی ہے ۔

یہ خاص صداقت سے اس عام سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس کی ذات میں موجود ہے ۔ ہم ایک اور بھی مثال دیتے ہیں جس سے یہ مسئلہ اور بھی آئینہ ہوجائے گا علم نباتات کا ماہر تمام اقسام کے ان پودھوں کی خاصیتوں کا مطالعہ کرتا ہے جو ایک ہی جنس کے ہیں ۔ اور دیکھتا ہے کہ ان میں سے ہر پودہ زہریلا ہے اور ان خاصیتوں سے وہ یہ حکم لگاتا ہے کہ اس قسم کے تمام پودے زہریلے ہوتے ہیں ۔ وہ اس عام صداقت کی

اپنے تلامذہ کو تعلیم دیتا ہے جو اس تعلیم سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خاص وہ پودے زہردار ہوتے ہیں جو اس جنس سے تعلق رکھیں۔ یہاں اُستاد نے تو قاعدہ استقرائی اختیار کیا ہے اور تلامذہ نے قاعدہ قیاسی یا بالفاظ دیگر سابق الذکر عام سے خاص کی طرف گیا ہے اور آخر الذکر خاص سے عام کی طرف۔ دونوں ہی سچے ہیں اور دونوں ہی کا طریقہ تفحص حقیقت کی بنیادوں پر قایم ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں کا قاعدہ علمی بنیاد پر ہے یا نہیں اور آیا ایسا قاعدہ علمی ہو سکتا ہے یا نہیں یہ ساری باتیں بدیہی ہیں اور کون شخص ہے جو ایک کو علمی اور دوسرے کو غیر علمی کہے گا۔

ہم کہتے ہیں قاعدہ استقرائی حق ہے۔ ہر شے کا نتیجہ اس کے مقدمہ صغریٰ کبریٰ سے برآمد ہوتا ہے۔ بلکہ اسکے نتیجے سے خود مقدمات صغریٰ و کبریٰ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر مقدمات صغریٰ و کبریٰ حق ہیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ نتیجہ کیوں کر حق نہ نکلے گا۔ اور اگر مقدمات صغریٰ و کبریٰ غلط ہو جائیں ہو اگر یں قاعدہ یا طریقہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ یہ قاعدہ استقرائی اسلئے حق ہے کہ عام میں وہی خاص کی صفت ہوتی ہے اگر خاص صحیح ہے تو عام یقیناً صحیح ہوا پھر قاعدہ کو ہم غیر علمی کیوں کہنے لگے یہی صورت قاعدہ قیاسی کے صحیح ہونے کی ہے غرض دونوں ہی قاعدہ سند ہیں اور اپنی اپنی جگہ دونوں ہی کارآمد بھی ہیں۔ قوانین قدرت عام طور پر کشادہ ہیں۔ اب یہاں سے صرف خالص استقرار کرکے ایک قانون کو سیکھ لینا جس کا عمل ہر جگہ ہو رہا ہے بالکل ہی ناممکن ہے۔ ہم اس بستہ میں ایک چھوٹے پیمانہ پر تو حکم لگا سکتے ہیں مگر بڑی وسعت کے ساتھ اُس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ جب علوم جدیدہ کے ماہروں کو یہ مشکلات لاحق ہوئیں تو اُنھوں نے ایک اور قسم کا جدید استقرائی قاعدہ نکالا کہ جس سے چند اشیا کو دیکھ کے باقیماندہ کل اشیا کا اندازہ ہو سکے خواہ وہ ایک ہی جنس کی ہوں یا نہ ہوں۔ مثلاً خالص قاعدہ استقرائی اور بنائے ہوئے قاعدہ استقرائی میں یہ فرق ہے کہ سابق الذکر تو اُن خاص اشیا کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے جو عام صداقت میں پھیلی ہوئی ہیں اور آخر الذکر قاعدہ پھلانگ کے آگے بڑھ جاتا ہے اور فطرت کی چند چیزیں دیکھ کے سب کو ہی ایک سا سمجھنے لگتا ہے۔

بات یہ ہے کہ قانون قدرت جس کا سبق بلا سمجھے بوجھے پڑھا جاتا ہے کیوں ہر جگہ جا کے بدل گیا ہے فرض کرو ایک قانون ہے اور خاص ایک مقام پر اُس کی ایک حالت ہے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اور مقامات پر بھی اُس کی یکساں حالت رہے مگر یہ نہیں ہوتا۔ وجہ کیا کہ ایک ہی فطرت ایک ہی قانون اور اسکے نئے نئے مشاہدے۔ لنڈن کی انجمن مابعد الطبیب میں ایک بار یہ سوال کیا گیا تھا کہ ہم کیوں کر جانیں کہ قوانین قدرت کوئی خاص شکل رکھتے ہیں یا بالفاظ دیگر اُن کا کوئی خاص لباس ہوتا ہے۔ پروفیسر ہکسلے نے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ قوانین قدرت کی ہر شکل کے یہ معنی ہیں کہ جو مفروضہ صورتیں ان کے عمل کی خیال کر لی گئی ہیں وہ کبھی غلط نہ ثابت ہوں۔ ان قوانین کو کبھی کسی شخص کے معجزے نہیں بدل سکتے۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ فطرت کے سلسلوں میں معجزوں کو دخل ہو۔ جو شخص معجزے دکھانے کا دعوے کرتا ہے اُس کا بہت بڑا منشا یہی ہوتا

ہے کہ اس میں مافوق الفطرت قوت تسلیم کی جائے ۔ کوئی بیّن شہادت کبھی کسی معجزے کے ثبوت میں نہیں پیش کی گئی کبھی کسی ہمعصر مورخ نے ایسے کسی معجزے کی شہادت نہیں دی جو صدہا برس گزرنے پر مشہور ہو گئے یہ ساری قیاسی باتیں ہیں جنہیں مشاہدات سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے ۔ یہ اعتراضات ہیں جو عام طور پر کئے جاتے ہیں ہم علوم جدیدہ کے ماہروں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اور ہم صرف اسلامی معجزات پر بحث کرینگے ۔

سوال صرف یہ ہے کہ مفروضہ اشکال قدرت کے قوانین او عمل کی تسلیم کرلی گئی ہیں کیا غیبی شہادت اس امر کی پیش ہو سکتی ہے کہ ان مفروضہ اشکال کے علاوہ قوانین قدرت کی اور اشکال نہیں ہیں اور کیا ثبوت ہے کہ یہ مفروضہ اشکال ویسی ہی صحیح ہیں جیسا انہیں تسلیم کرلیا گیا ہے ۔ تیسری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ یورپ کے علما اور فلاسفہ نے مسیحی معجزات دیکھ کے تمام مذاہب کے معجزات کی ایک ہی نوعیت سمجھتے ہیں ۔ مگر نفس اسلام کو ایسے معجزات سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا مسیحی مذہب پیش کرتا ہے ۔ اسلام کی بنیاد مثل عیسائیت کے معجزوں پر ہرگز قایم نہیں کی گئی ہے مثلاً عیسائیت کی بنا صرف تین اصول پر رکھی گئی ہے اور وہ یہ ہیں حضرت مسیح کا بے باپ کے پیدا ہونا ۔ مر کر زندہ ہو جانا اور پھر مجسم آسمان پر چلا جانا ۔ نصرانیت نے فتویٰ دیدیا ہے کہ ان میں سے ایک معجزہ کا منکر بھی کافر گنا جائے گا یہ ایسی مافوق الفطرت باتیں ہیں کہ جو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتیں اور علوم جدیدہ کا ماہر انہیں محض لغو اور وحشی فسانہ خیال کرتا ہے ۔ مگر اسلام اسکے مقابل میں یہ دعوے نہیں کرتا اس کا بہت بڑا اور سب سے بڑا اصول توحید ہے اور بس اور باقی اس کے جتنے اصول ہیں وہ سب شاخیں ہیں تزکیہ نفس اور تمدن کی مثلاً نماز پڑھنا ۔ زکوٰۃ دینا ۔ روزے رکھنا وغیرہ ۔ ہم چاہتے ہیں کہ نفس معجزہ کی توضیح کرنے سے پہلے معجزہ کی کچھ تاریخ بیان کردیں اور بتا دیں کہ اسلام میں معجزہ کسے کہتے ہیں اور موجودہ مسلمانوں کے خیال کے معجزے اسلام میں کب اور کس وقت پیدا ہوئے اور انکی اشاعت عام طور پر کیوں کر ہو گئی اور اصلی معجزہ کو جس پر اسلام کی بنیاد ہے مسلمانوں نے کیوں فراموش کر دیا جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور آپ نے نبوت کا اعلان دیا تو دنیا کی عجیب کیفیت تھی ۔ سب کے خیالات بت پرستی ۔ ستارہ پرستی ۔ آتش پرستی ۔ آفتاب پرستی اور دریا پرستی سے مافوق الفطرت باتوں کے قبول کرنے کے عادی تھے اور قدم قدم پر ان کے یہی خیالات تھے ۔ قدرت کے کرشموں پر بالکل تاریکی پڑ گئی تھی اور فطرت کی قوتیں معبود بن گئی تھیں جب حضور انور نے علانیہ طور پر ان بدیہی غلط ناکارہ باتوں کی تردید کی اور ان کے معبودوں کو لاشے محض بتایا تو وہ لوگ پہلے تو چونکے لیکن بعد ازاں انہوں نے آپ کی بے لوث اور کھلی کھلی باتوں پر کان لگایا اور اخیر بہت جلد اپنی غلطی سے آگاہ ہو کے اپنی اس حرکات سے باز آئے اور سچے دل سے توبہ کی اور خدائے واحد کی پرستش کرنے لگے ۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے حضور انور کی زندگی بہت ہی سادہ طور پر بسر ہوتی تھی نہ کسی قسم کا شاہانہ سامان نہ امیرانہ جاہ و جلال نہ واقعات زندگی میں کسی قسم کا تصنع کچھ بھی نہ تھا ۔ سادہ لباس سادہ کھانا معاملات کی صفائی ۔ سادی گفتگو ۔ تلقین اسلام کے سادے قاعدے اور معمولی الفاظ کے سوا اور کچھ نہ تھا ۔ جو معجزے رسول خدا کے بیان کئے جاتے ہیں اگر وہ تھوڑی

دیے کے لئے صحیح بھی تسلیم کر لئے جائیں پھر بھی اُن سے اشاعت اسلام میں کبھی آپ نے کام نہیں لیا۔ نہ کبھی
دشمن کے مقابلہ میں آپ نے ان مفروضہ معجزوں سے کام لیا اور نہ کبھی سخت سے سخت اوقات میں آپ نے ان
مفروضہ معجزوں کو استعمال کیا۔ جب اسی بے نظیر پاک حالت میں آپ کی وفات ہوگئی تو صحابہ کا دور دورہ ہوا۔
سب سے زیادہ حضرت فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت خاص اس معاملہ میں بہت ہی نامور ہے رسول
کریم نے تو وہ خیالات دبا دیئے تھے جو صدہا ہزارہا سال سے لوگوں کے چلے آتے تھے مگر اب وہ کچھ پھر اُبھرنے
لگے تھے کیوں کہ صدہا سال کا خونی اثر چند سال میں نہیں جا سکتا تھا۔ مافوق الفطرت خیالات اُن لوگوں کو بطور
ورثہ پہنچے تھے مسلمانوں میں ہزاروں تو وہ لوگ تھے جو پہلے نصرانی تھے ہزاروں وہ لوگ تھے جو پہلے یہودی
تھے اور لاکھوں وہ لوگ تھے جو پہلے بت پرست تھے حضرت عمر نے یہ پرخوف نظارہ دیکھا اور آپ کو اندیشہ
ہوا مبادا مسلمانوں کے خیالات پھر مافوق الفطرت باتوں کی طرف عود کر آئیں۔ یہ اندیشہ آپ کا درست تھا
کیوں کہ خود مدینہ منورہ میں آپ نے اپنی آنکھوں کے آگے ان خیالات کا کچھ اُبھار دیکھا تھا یعنی آپ نے دیکھا
کہ خاص اس درخت کے نیچے اکثر مسلمان آ آکے بیٹھتے ہیں جہاں کبھی رسول کریم وعظ فرمایا کرتے تھے اور چند
ہی روز کے بعد آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ مسلمان غیر معمولی طور پر اس کی تعظیم زیادہ کرتے ہیں اور مجمع روز بروز زیادہ
ہوتا جاتا ہے آپ نے فوراً اس درخت کو جڑ سے اُکھڑوا کے پھینک دیا اور گویا رسول کریم کے بہت بڑے منشأ
کو اس طرح پورا کیا۔ اگر وہ درخت نہ اُکھڑوایا جاتا تو ضرور شجر پرستی کی بنیاد پڑ جاتی اور مسلمان پھر اپنے اُن ہی خیالات
پر اُتر آتے جو انہیں بطور ورثہ ملے تھے۔ حضرت عمر کی یہ حکمت بہت ہی غائر نظر سے دیکھنے کے قابل ہے۔ دوسری
حکمت حضرت عمر نے بہت بڑی یہ کی کہ صحابہ کو بکثرت حدیثیں روایت کرنے سے روک دیا اور سخت حکم دیدیا
کہ نو مسلموں میں زیادہ حدیثوں کا وعظ نہ کہنا۔ جب آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک مفتوحہ صوبہ
کا عامل بنا کے بھیجا تو سخت تاکید کر دی تھی کہ حدیثیں نہ بیان کرنا اور چلتے وقت یہ فرما دیا تھا اے ابوہریرہ مسلمان
تیرے پاس جوق جوق آئیں گے اور یہ کہیں گے رسول کریم کے صحابی آئے ہیں ہم سے حدیثیں بیان کریں گے
تو سوائے قرآن کے ہرگز حدیثوں کا درس نہ دیجو۔ حضرت عمر کی اس حکمت بالغہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ حدیثوں میں قطعی اختلاف واقع ہوگا اور جب حدیثوں کی اشاعت یوں علے الاعلان ہونے لگے گی تو بہت
سی حدیثیں جعلی بن جائیں گی اور پھر لوگوں کے اس سادہ عقیدہ میں جو رسول کریم نے پیدا کر دیا تھا سخت
انتشار پیدا ہوگا اور پھر وہی مافوق الفطرت مادہ زور کرے گا اور چوں کہ اُنہیں اپنے نبی کریم کا زیادہ ادب اور
پاس ہے خبر نہیں اسلام کے سادہ اصول میں کون کون باتوں کی آمیزش ہو جائے اور پھر توحید خدا کا صاف
مسئلہ خراب نہ ہو جائے جب تک آپ تخت خلافت پر قائم رہے آپ نے نہایت تندہی سے اس امر میں
کوشش کی اور مصنوعی حدیثوں کی اشاعت کا دروازہ بند رکھا لیکن آپ کی شہادت کے بعد اس انتظام میں
کچھ خلل سا پڑ گیا چوں کہ آپ کے جانشین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس عاقلانہ حکمت عملی کو پورے

طور پر سمجھ لیا تھا اور جس امر کا خوف تھا وہ آنکھوں کے آگے آنے لگا تھا آپ نے اس بنا پر فوراً ایک اعلان جاری کر دیا کہ جن حدیثوں کی روایت حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر نے کی تھی یا جو حدیثیں ان دونوں جلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں رائج ہو گئی تھیں اُنکے علاوہ نہ کوئی حدیث بیان کی جائے نہ کسی حدیث کی اشاعت دی جائے۔

اس اعلان نے جیسا کہ اُمید تھی زیادہ اثر نہیں کیا کیوں کہ خلافت کے چند ہی روز بعد سے مخالفت شروع ہو گئی تھی اور مروان آپ کے معتمد خاص کی بعض بے عنوانیوں سے اُس پر دست انتظام میں جو حضرت عمر قایم کر گئے تھے خلل آنا شروع ہو گیا تھا۔ تاہم بہت کچھ روک تھی اور ایک حد تک لاکھوں مسلمان اسبات کا خوف کرتے تھے کہ رسول کریم کے نام سے کبھی ایسا قول نہ بیان کیا جائے جس میں ایک لفظ کا بھی شبہ ہو۔ مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ حالت مدت تک قایم نہیں رہی حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت نے اس روک ٹوک کا خاتمہ کر دیا اور اب دو متضاد گروہ اسلام میں پیدا ہو گئے۔ اور ان دونوں گروہوں کو ضرور ہوا کہ اپنی اپنی تائید میں وہ رسول کریم کے پاک اقوال بیان کریں جھگڑا اصل میں ملکی تھا مگر اُسے مذہبی رنگ پہنایا گیا اور اب طرفین کی روزبروز کشمکش بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ باتوں سے تلوار پر نوبت پہنچ گئی اور بڑے بڑے خونریز میدان ہوئے مگر نتیجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں نکلا کہ دشمنی خون میں مل گئی اور آگے چلکے یہی دشمنی زندگی ہی نہیں بلکہ ایمان اور یقین کا جزو اعظم بن گئی یہی صورت گویا جھوٹی حدیثوں کی اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ بنی اور ہم خیال کرتے ہیں کہ نئی نئی حدیثیں وضع کرنے کا شوق پیدا ہوا اور یہ شوق اُسوقت تک قایم رہا جب تک حدیثوں کے پرکھنے کی کسوٹی نہ نکلی۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جب امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو الگ کرنا چاہا تو کئی لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں اس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ موضوع حدیثوں کا چاروں طرف سے دریا اُمڈنے لگا تھا اور اسلامی دنیا میں اس آفت نے ایک قہر برپا کر دیا تھا جنہیں صحیح حدیثیں یاد تھیں وہ بھی زبان ہلاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ صدق کے ساتھ کذب خوب گھی شکر ہو گیا تھا۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ صرف ایک فرقہ زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کریں۔ (فتح المغیث صفحہ ۱۰۸) وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں میں نے وضع کی ہیں بہت سے اُسی زمانہ میں ایسے بھی ثقات ہوئے ہیں جنہوں نے محض نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں موضوع کیں۔ زین الدین عراقی کا بیان ہے کہ ان حدیثوں سے اسلامی دنیا کو بہت سخت نقصان پہنچا کیونکہ ان وضعین زہد و تقویٰ کی وجہ سے اُن کی موضوع حدیثیں عام مقبول ہو گئیں۔ بعض نے محض انتہا درجہ تعظیم و تکریم کی وجہ سے نئی نئی باتیں اپنے نبی کریم سے نسبت دینی شروع کیں اور جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے راہبوں اور بطریقوں کے فرضی معجزات اور کرامتیں بیان کرتے تھے مسلمانوں نے بھی اُن کے مقابل میں وہ وہ مافوق الفطرت باتیں بیان کیں جنکا وہم و گمان بھی رسول کریم کے زمانہ مسعود و محمود میں مطلق نہ تھا وضع کے بعد تساہلات غلط فہمیوں اور بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جن کی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول

کریم کے بھی آگے بڑھا دیا۔ شیعی گروہ نے اپنا دار و مدار بالکل اہلبیت پر کرلیا اور اُن کے فضائل میں ایسی
ایسی مافوق الفطرت باتیں تراشیں کہ اُن بزرگوں نے اپنی زندگی میں کبھی اُن کا وہم بھی نہ کیا ہوگا۔ اسی طرح سنیوں
نے اپنے اماموں کو مختلف کرامتوں سے لاد دیا اور جتنی مافوق الفطرت باتیں کہ ایک تعلیم یافتہ دماغ ایجاد کرسکتا
ہے وہ سب ایجاد کی گئیں اور اُن کی نسبت اُن بزرگ انفاس سے دی گئی جو فی الحقیقت بے گناہ تھے اور
اُنہیں اُن امور سے کوئی بھی سروکار نہ تھا۔ پانسو برس کی رتھ کا دریا میں سے نکلنا اور عزرائیل کے کلہ پر تھپڑ مار کے
روحوں کی تھیلی اُس سے چھین لینا یہ کم درجہ کی باتیں نہیں ہیں۔ ایک شاعر کا بے لگام خیال اور ایک مصور کا خود
قلم بھی ایسی بزرگیوں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ پس ان اعتقادات نے مسلمانوں کے عقاید میں کامیابی سے
خلل اندازی کی گور پرستی۔ پیر پرستی۔ گوسالہ پرستی کی زبون ترین رسمیں اسی کمبخت کرامتوں کے عقیدے سے جاری
ہوئیں اور اُنہوں نے اتنا زور باندھا کہ اصلی معجزہ کا خیال دلوں سے کبھی کا محو ہوگیا پس یہی معجزے رکھے کہ آفتاب
کو ایک گھنٹہ یا تین گھنٹہ تک اسلیئے ٹھہرائے رکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عصر کی نماز قضا ہوئی تھی حضرت
جبرئیل آسمان سے ایک نوشتہ لے کے اُترے تھے اور اُس پر حضور انور کی مُہریں کرائی تھیں اسکے یہ معنی تھے کہ حضرت
امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید ہوں مجھے منظور ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک کوئیں میں اُتر کے
سو ہا کئی ہزار یا کئی لاکھ جنوں کو قتل کیا تھا۔ میدان کربلا میں شہنشاہ جنات کئی لاکھ لشکر کے ساتھ حضرت امام
حسین علیہ السلام کی امداد کے لئے حاضر ہوا تھا مگر آپ نے امداد منظور نہیں فرمائی در خیبر کو حضرت علی نے
اپنے ایک ہاتھ سے اُٹھا لیا تھا۔ آسمان سے روزمرہ کھانے کے خوان بھر بھر کے اُترتے تھے۔ یا فلاں پیر
دریا پر چلتے ہیں اور اُن کے پیر نہیں بھیگتے۔ یا مرنے کے بعد بھی فلاں پیر نے یہ یہ کرامتیں دکھائیں کوئی زندہ ہوگیا
اور کوئی بیٹا ہوگیا فلاں پیر نے ایک مردہ سے کہا اُٹھ میرے حکم سے اور وہ اُٹھ بیٹھا۔ یہ اور اس قسم کی کل
باتیں انسانی شرافت اور فضیلت سے بہت دور ہیں۔ غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ انسان کو دنیا میں
پیدا کرنے کی غایت خداوند تعالےٰ کی یہ نہیں ہے کہ وہ پانسو برس کی ڈوبی ہوئی مع سواریوں کے رتھ نکال
دے اور عزرائیل کو تھپڑ مار کے روحوں کی تھیلی چھین لے اور یہ تھیلی کھول دے اور وہ روحیں اُڑ کے اپنے
اپنے جسم میں چلی جائیں اور پھر ایک مدید زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہیں۔ یا ایک مقتول کو زندہ کردے۔ فرض کرلو
کہ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور ایک وقت اُن کا ظہور ہوا تو اب سوال یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کی بہبود کے
ان افعال سے کیا عاقبت درست ہوئی۔ یاد رکھو خدا کے معاملات یا قانون قدرت میں کوئی دخل نہیں دیسکتا
اور جب تک کسی کام میں خدا کا ہاتھ نہ ہو وہ ہرگز مفید بھی ثابت نہیں ہوتا ہم اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فلاں
پیر صاحب چلتے چلتے زمین میں سے ایک گھوڑا پیدا کرلیتے تھے اور پھر اُس پر بیٹھ کے اُڑ جایا کرتے تھے اور
آسمان کی سیر سے کئی کئی دن میں اُترا کرتے تھے سوال صرف یہ ہے کہ اُنہوں نے خود تو آسمان کی سیر کی اور
مزے آپ اُڑائے اب یہ بتاؤ اُنہوں نے ہمیں کیا دیا۔

اسی قسم کے باطل اوہام نے معجزہ کی اصلی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے لکھے پڑھے جاہل سب یہی سمجھنے لگے کہ معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ کیا تو خداوند تعالےٰ کے اُن قوانین میں تبدیلیاں پیدا کریں جو وہ روز ازل سے پیدا کر چکا ہے یا لوگوں کو دھوکا دیں۔ معجزہ اور نبوت یہ لازم ملزوم ہیں نہ منشائے نبوت کو ان شعبدے بازیوں سے کچھ سروکار ہے اور نہ معجزے کو معجزہ کسے کہتے ہیں؟ یہ سوال ہے جو مدت سے ہوتا چلا آتا ہے اور اس کا کافی جواب کسی نے بھی آج تک نہیں دیا۔ معجزہ اُن عظیم اصلاحوں کے نتیجہ کو کہتے ہیں جن میں خدا کا ہاتھ کام کرتا ہے اور وہ اصلاحیں ایسی پرزور اور بدیہی ہوتی ہیں کہ انسان کو مجبوراً تسلیم کرنی پڑتی ہیں اور اُن اصلاحوں کا قیام جبکہ خداوند تعالیٰ اپنا ہاتھ دے چکا ہے دیرپا بلکہ دائمی ہوتا ہے نبوت خاص اُس راز کا نام ہے جو کسی خاص بندہ کو عطا ہوتی ہے اور یہ صفت اُس کے کلام میں وفات کے بعد بھی رہتی ہے۔ فی الحقیقت اُس راز کا پانا محال ہے اور بے ساختہ مُنہ سے یہی نکلتا ہے "قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی"

سخت غلط فہمی ہے کہ نبی یا نبوت کے لفظی معنی لیکے حکم لگا دیا کہ معمور بھی نبی ہے اور برہمنی بھی نبی ہے اور اوتار بھی نبی ہے۔ ان مبارک الفاظ کی ایسی بے توقیری نہیں کرنی چاہیئے اگرچہ یہ الفاظ انسانی زبان کے ہونے کی وجہ سے محدود ہیں مگر نکلتا تو ان سے ہی بڑا عالی منشا ان کی ایسی گستاخی نہیں کرنی چاہیئے جب ہماری کمزوری اور زبان کی بے بضاعتی کی یہ کیفیت ہے کہ ہم درد کھ کھٹاس مٹھاس کی کیفیت لفظوں میں نہیں بیان کر سکتے پھر کیوں کر خیال میں آسکتا ہے کہ خدا اور اُس کے زبردست راز یعنی نبوت اور اُس کے نتیجہ یعنی معجزہ کی حقیقت سمجھ سکیں گے اور پھر اپنی نہایت محدود زبان سے اُسے ادا کر سکیں گے۔ قدرت ہی کی طرف سے وہ زبان عطا نہیں ہوئی پھر کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ تھوڑا سا ہی اگر بہت نہیں ہو سکتا خدائے مطلق سے اپنی تمام کمزوریوں کا اقرار کر کے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ تعلق پیدا کرو اور چند ہی روز راستبازی سے اُسے یاد کر کے تو دیکھو معرفت اور حقیقت کے دروازے کس طرح کھلتے ہیں دیکھ سب کچھ لو گے مگر یاد رکھو زبان سے کچھ نہ کہہ سکو گے۔ بھائیو میری بات سنو حق یہ ہے کہ تم نے کبھی راستبازی سے خدا کو یاد نہیں کیا۔ اگر چند ہی لمحہ کر لو تو تمہیں معلوم ہو کہ پادشاہت کیا چیز ہے حقیقی شادمانی کس کا نام ہے اور قلب مطمئنہ کسے کہتے ہیں۔ کچھ دین ہی کا فائدہ نہیں ہے بلکہ اس سے تو دنیا بھی سنورتی ہے۔ تعلق تم کرتے نہیں مگر ان لوگوں پر ہنستے ہو جنکا تعلق ہو چکا ہے یا جو تعلق پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں پھر تم کیوں کر سمجھ سکتے ہو کہ بغیر شاقہ محنت کے تمہیں آ جائے گا کیا تماشہ کی بات ہے ریاضی میں تو جان توڑ کے محنت کرو جب وہ کہیں آئے اسیطرح دنیا کا ادنےٰ اور اعلےٰ ہنر کبھی بغیر محنت کے نہ حاصل کر سکو مگر روحانیات اور روحانی اسرار کا علم ایک منٹ کی محنت سے حاصل کرنا چاہو بلکہ اپنی غلط فہمی سے اُس کے عالم ہونے کا دعوےٰ کرو اور بغیر ایک لمحہ کی محنت کے یہ خیال کرنے لگو کہ اول تو روحانی اسرار کوئی چیز نہیں ہیں اور اگر ہیں تو ہم سمجھے بیٹھے ہیں ایسے لوگوں کی حالت افسوس کے قابل ہے جنکی زندگی مشتبہ جن کی موت سخت ناکامی پر ہوگی اور جنکی روحانی نجات مخدوش ہو جائے گی۔

ہندوستانی طبائع میں چوں کہ اول روز سے تقلید کی صفت ودیعت ہوئی ہے خواہ وہ کیسے ہی تعلیم یافتہ ہو جائیں پھر بھی اُن سے یہ صفت نہیں جاتی بلکہ زیادہ تعلیم سے تقلیدی مادہ کو اور بھی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اُن کی بالکل اُس ہرن کی سی مثال ہے جو بھیڑیوں کے غول سے تو بچ گیا مگر شکاری کے تیر کا نشانہ ہو گیا۔ اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے نئی تعلیم پا کے مشرقی علما کی تقلید سے اپنے کو آزاد تو کر لیا مگر وہ مغربی علما کے پھندوں میں پھنس گئے۔ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص بھی ایسا نہیں دکھائی دیا جو آزاد رائے رکھتا ہوا اور اپنی اُس خداداد عقل سے کام لیتا ہو جو بحیثیت انسان اور اشرف المخلوقات ہونے کے فطرت کی طرف سے اُسے ودیعت ہوئی ہے۔

اس وقت ہندوستان ایک افسوسناک کرب و بلا میں پھنسا ہوا ہے یورپ کے الحاد اور ہندوستان کی بت پرستی نے ایک حد تک ہندی مسلمانوں پر نمایاں فتح حاصل کی ہے موجودہ ہندی اسلام وہ اسلام نہیں رہا جو خلاصہ ادیان اور سرتاج ادیان تھا بلکہ اس میں الحاد اور بت پرستی کی کچھ ایسی آمیزش ہو گئی ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنا مشکل پڑ گیا۔ گور پرستی۔ پیر پرستی۔ تعزیہ پرستی۔ گوسالہ پرستی۔ تقلید پرستی۔ نے تو ایک طرف آفت برپا کر رکھی ہے اور دوسری جانب الحاد پرستی۔ طبیعات پرستی۔ مادہ پرستی نے غضب ڈھا رکھا ہے۔ علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر اگرچہ وہ بہت جلد جلد بدل رہے ہیں مسلمان نوجوانوں کے نئے تعلیم یافتہ گروہ نے تکیہ کر لیا ہے اور لاکھوں بلکہ کروروں مسلمانوں نے ہندوؤں کی بت پرستی سے اپنا ایک نیا اسلام بنایا ہے اور پابندی اس قدر اختیار کی ہے کہ کسی عالم کی کسی رائے پر نکتہ چینی کرنا کفر نہاں کیا گیا ہے۔ اسلام کی وہ آزادی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی جو ابتدائی سنین اسلام میں تھی کہ ادنے ادنے بڑھیا خلیفہ وقت سے جھگڑتی تھی اور چلتے چلتے رستہ روک کے کھڑی ہو جاتی تھی اور خلفا کو گویا قایل ہونا پڑتا تھا یا اُس کی غلطی پر مطلع کیا جاتا تھا اگر یہاں جب یہ زبوں ترین حالت ہے تو معجزہ اور نبوت کا باریک مسئلہ کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے اور کون شخص ہے جو اُسے سمجھا سکتا ہے جب تک خدا کا ہاتھ اُس کے ساتھ کام نہ کرے اور خدا کی مرضی اُس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ مسلمانوں کی اسی خرابی اسی زبونی اور اسی انتہائی نکبت کی حالت میں بھی نبوت اور اُس کے نتیجہ معجزہ کی جھلکی پائی جاتی ہے اور اُس کی جھلکی کو وہی آنکھیں دیکھتی ہیں جو تجلیات ربانی سے منور ہو چکی ہیں اور جن میں خدا کے جلال کی روشنی کوٹ کوٹ کے بھر چکی ہے۔ خدا نے ہماری آنکھوں میں وہ قوت اور جوہر دے دیا ہے اور ہم خوش ہیں کہ ہم نے اس صفت آلہی کا مسلمانوں کے خراب اور ناپاک عقاید میں نظارہ کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے بت پرست سے بت پرست ملحد سے ملحد مسلمان کے دل میں ایک حرارت پائی جاتی ہے جو کبھی سرد نہیں ہوئی اور صدیوں پر صدیاں گزرنے پر بھی اُس کی ایک ہی حالت رہتی ہے یہ حرارت کیا ہے اور اس حرارت کا معیار کیا ہے اور آیا اس حرارت کا بھی کسی نے کھوج لگایا ہے۔ ظاہری قوانین قدرت تو یہ فتوے دے چکے ہیں کہ جہاں چیز قدیم ہوئی پھر اُس کی وہ صفات زایل ہو جاتی ہیں جو ابتدا میں اُس میں دیکھی جاتی ہیں اور ہم بھی روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ اس انتہائی خرابی پر بھی اسلام میں زندہ

روح باقی ہے اور وہ زندہ روح برابر اپنا اثر دکھا رہی ہے اور قدم قدم پر اُس کے اثرات نمایاں ہیں اسکو روح صداقت کہتے ہیں اور اسکو معجزہ کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے آیات بینات سے اسکو تعبیر کیا ہے۔

سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے کہ کسی ملحد فلسفی کی تقلید پر بڑھئی سنار لوہار اور درزی کو نبی بنا دیں اور نبوت کا اعلےٰ درجہ کا جوہر جو خاص باری تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے ان ادنےٰ پیشہ وروں کو دیدیں اور پھر بغلیں بجائیں کہ ہم نے خوب ہی نبوت کی حقیقت سمجھی اور اس راز کی تہ تک ہم خوب ہی پہنچے۔ سخت شرم کی بات ہے کہ ایک سمجھدار شخص کسی ہندو ملحد کی آنکھیں بند کرکے تقلید کرے اور اپنی خداداد ذہانت کو تقلید کے آگے بیکار کردے ضمیری جوہر کی حقیقت یاد رکھو الفاظ سے نہیں پائی جاتی ظاہری الفاظ میں ہرگز اُن معنی کا ایک ہزارواں حصہ بھی شامل نہیں ہے جو فطرت نے اُس میں ودیعت کئے ہیں۔ تم جبکہ مجسم اور ظاہری اشیا کی ماہیت الفاظ سے مطلق نہیں بتا سکتے پھر کیونکر خیال کرسکتے ہو کہ غایت اشیا کی ماہیت بتا دوگے۔ مثلاً آم تمہارے سامنے رکھا ہے ابھی تم نہیں جانتے کہ یہ کس مزے کا ہے مگر جب تم نے کھایا اُسکا اصلی مزا اگرچہ تم پر کھل گیا مگر تم چاہو کہ اُس مزے کو الفاظ میں بیان کردو محال سے بھی بڑھکے محال ہے ہاں اُسکے مزے کو تشبیہوں سے بیان کروگے کبھی مٹھاس میں گڑ اور شکر کی تشبیہ دوگے اور کبھی کھٹاس میں کھٹا کہوگے مگر جو اُس کا اصلی مزا ہے اور جو تمہارے دل کو آیا ہے اور تمہاری طبیعت نے اُس سے کیفیت حاصل کی ہے ہرگز ہرگز نہیں بتا سکتے۔ اسیطرح انسانی طبیعت کے پوشیدہ جوہر ہیں جنکا کھوج علوم جدیدہ بھی نہیں لگا سکے۔ اور انہیں نہیں معلوم کہ ادراک کیا چیز ہے کیوں کر پیدا ہوتا ہے اعضا سے ان چیزوں کا کیا تعلق ہے۔ انسان کے باطنی جوہروں کا ادنےٰ درجہ خواب ہے ابھی اُسی کی حقیقت میں اختلاف ہے اور خاص ایک فیصلہ خواب ہی کی نسبت علوم جدیدہ نہیں کرسکے ہیں۔ خواب چیز کیا ہے اسکی ہستی کیا ہے کیوں کر پیدا ہوتا ہے اور کن اعضا سے بالخصوص اس کو تعلق ہے۔ کن کن اعضا کی حرکت سے یہ کیفیت بیداری پیدا ہوتی ہے کہ انسان لیٹا ہوا ہے مگر اپنے کو پھرتا ہوا دیکھتا ہے اگرچہ اِن سوالوں کے جوابات ہزاروں دیئے گئے اور روز دیئے جاتے ہیں مگر ابھی تک اتفاق نہیں ہوا جتنے جوابات ہیں سب خیالی ہیں اور مشاہدہ سے انہیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ پھر سوال کیا جاتا ہے کہ دل اور دماغ کی خواب دیکھنے کے وقت کیا کیفیت ہوتی ہے اور ان اعضا کی وہ کیا خاص حرکتیں ہیں جن سے غم اور خوشی کے خواب نظر آتے ہیں کیا کوئی دوائی ایسی پلائی جاسکتی ہے کہ دل و دماغ کی ایسی حالت ہوجائے کہ خوشی۔ غم۔ خوف اور بے باکی کا سماں آنکھوں کے آگے نظر آئے اور طبیب اپنی دوائی کے زور پر جیسا خواب چاہے خوابیدہ شخص کو دکھا سکے۔ یہ ساری باتیں ہیں جو ابھی حل ہونی باقی ہیں اور یہ سارے عقدے جو ابھی کھلنے کو موجود ہیں جب تک کامل طور پر انسانی ذات کا کھوج نہ لگ جائے گا اور اس کی ظاہری اور باطنی حالتیں کماینبغی نہ معلوم ہوجائیں گی کبھی اُن جوہروں کا خیال بھی نہ آئے گا جو رب الافواج اپنی مخلوق کے کسی خاص بندہ کو اپنی مستمرہ عادت کے مطابق بخشش کرتا ہے مخلصانہ طور پر انسانی جوہروں کا پتہ لگانے میں فطرت کی باطنی قوتوں کا مضحکہ نہ اُڑاؤ اور انسانی الفاظ کے ظاہری معنی پر قناعت نہ کرلو بلکہ پاک اور

صاف دل سے اپنی عاجزی اور فروتنی کا اقرار کرکے خضوع اور خشوع کے ساتھ رب الافواج کی اعلیٰ بارگاہ پر نیاز کی پیشانی جھکا اور التجا کرو کہ ہمارے دل میں وہ قوت دے جو ہم تیری بزرگی کا ادراک کرسکیں۔ اور ہماری آنکھوں میں وہ نور عطا کر جس سے ہم تیرا اجلال جو ہر ذرّہ ذرّہ میں چمک رہا ہے نظر کرسکیں۔ تمہاری دعا قبول ہوگی کیوں کہ وہ ضرور اُس کی سنتا ہے جو اُسے پکارتا ہے اور وہ اُس کی سوالوں کا جواب دیتا ہے جو اُس سے خطاب کرتا ہے۔ کن بیہودہ خیالات میں پڑے ہو اور کیا سوچ رہے ہو اپنی عمروں کا بڑا حصہ بیکاری میں صرف کرچکے اور خدا کا وہ خزانہ جو تمہیں عطا ہوا تھا ابھی یوں کا یوں ہی سربمہر رکھا ہوا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ اُس خزانہ میں کیا کیا ہے اور معلوم تو کرو کہ شاید یہی خزانہ نہ ہو جس کی وجہ سے تم کو انسانیت کا شرف ملا ہے جو کچھ تم نظر کر رہے ہو اور سحر انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو یہ کیا ہے کہ اسی نے تمہیں فریب دے رکھا ہے اور یہی طلسمی سامان تمہیں خالق ارض و سما کی طرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر ایسا ہے تو بڑی ہی بدقسمتی کی بات ہے۔ اس تمام طلسمی سامان کے تو تم ہی موجد ہو۔ تمہاری ہی ایجاد کی ہوئی غیر ذی روح چیز تمہیں بے خبر بنا دے اور کہیں کا بھی نہ رکھے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ تمام سحر انگیز اشیا تمہارے خیالات کا نتیجہ ہیں اور چوں کہ تمہارے دل و دماغ کا یہ جزو اعظم ہیں اسلئے تمہیں مناسبت ضرور ہونی چاہیئے۔ مگر مناسبت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم ان ہی چیزوں کے ہوکے رہجاؤ اور اپنے خالق کو بھول جاؤ۔ یہ کل سامان یہ تمام طلسمی اشیا کیا ہیں تمہارے خیالات کا ادنےٰ اور سب سے ادنےٰ نتیجہ ہیں۔ تمہاری ذات کے صدقہ سے ان کا ظہور ہوا ہے اور تمہیں ان کے موجد ہو عقل تو یہ چاہتی ہے کہ تم ان سے چوں کہ ہر طرح اشرف ہو اسلئے کسی طرح بھی مغلوب نہ ہو اور اگر تم مغلوب ہوئے تو تمہاری قسمت اُن بُت پرستوں کی سی ہوگی جو خود ہی پتھر کی مورتیں بناتے ہیں اور خود ہی ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تمہیں ان چیزوں سے جو تمہارے اردگرد ہیں فریب نہ کھانا چاہیئے کیوں یہ تمہاری ہی بنائی ہوئی اور تمہاری ہی ایجاد میں تمہیں اپنے خالق کی مرضی پر پابند ہونا چاہیئے اور یہ پابندی تمہاری دینی اور دنیا کی حقیقی بہبودی ہے اسی سے دنیا کے معاملات میں اصلاح ہوتی ہے اور اسی پابندی سے روحانی فضائل ملتے ہیں۔

اگر کوشش کروگے تو روحانی فضائل کا تمہیں اچھی طرح کھوج لگ جائے گا اور تم سمجھ جاوگے کہ معجزہ اور نبوت کیا ہے اور اُن کا تعلق خدا اور اُس کی مخلوق سے کیا ہے۔ قرآن مجید فی الحقیقت فطرت کی ایک مکمل بیاض ہے مگر جب تک اُس سے مذاق نہ پیدا کروگے وہ ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا۔ تم اسے مثل معمولی کتابوں کے پڑھتے ہو اور اُسکے ظاہری معنی لے کے یہ سمجھتے ہو کہ ہم قرآن مجید کے مطالب پر حاوی ہوگئے حالانکہ حقیقت کی راہ اس سے بہت دور ہوتی ہے پہلے روحانی مضامین کے سمجھنے کا مذاق پیدا کرو پھر اُن کے سمجھنے کا نام لو اور ادنےٰ خیال کرکے سمجھ سکتے ہو کہ جبتک مصنف سے تمہارا تعلق نہوگا ہرگز اس کی کتاب کے سمجھنے کا مذاق نہیں حاصل ہوسکتا۔ کیا وجہ ہے کہ تم جب قرآن پڑھتے ہو تو صرف اُسکی عبارت سے اگرچہ معنی نہ بھی سمجھو وجد میں آجاتے ہو مگر دوسرے مذہب کے شخص کی جو ایک ہی شہر میں رہتا ہو ایک ہی خوراک کھاتا ہو ایک ہی معاشرت رکھتا ہو یہ کیفیت نہیں ہوتی اس کی وجہ عیاں ہے اور اس کا سبب صاف ظاہر ہے۔ تمہیں کچھ نہ کچھ اس سے دلی تعلق ہے۔ اسلئے اس کا نام سنتے ہی یا اُسکے الفاظ کان میں پڑتے ہی تمہاری

حالت بدل جاتی ہے مگر دوسرا شخص اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر تم اپنے تعلقات خالق ارض و سما سے زیادہ پیدا کروگے تمہارا قرآن سمجھنے کا مذاق بڑھتا جائے گا اور پھر تم ترقی کرتے کرتے قرآن مجید کے ان اصلی معنی کو سمجھنے لگو گے جو الفاظ کی تہ میں مضمر ہیں۔

نبوت کا بہت بڑا نتیجہ قرآن مجید ہے اور اس پاک کتاب کو ہم دوسرے لفظوں میں آیات بینات یا معجزہ سے تعبیر کریں گے اس مقدس کتاب کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس میں روحانی فضائل حاصل کرنے کے مدارج مقرر کئے ہیں اور جب تک کوئی شخص درجہ بدرجہ طے نہ کرے گا سب سے اعلےٰ مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن مجید میں شروع ہوتے ہی صرف ایک جملہ نکلتا ہے اور وہی جملہ گویا آگے آنے والی روحانی تعلیمات کا بہت بڑا سرچشمہ ہے یعنی وہ جملہ یہ ہے ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ ھدی للمتقین ۝ الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون۔ یہ ایک جملہ ہی جس کی تفسیر سارا قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کی خواہ کسی چھوٹی سی چھوٹی آیت کو پڑھو اسی آیت یا جملہ کی شرح پاؤ گے۔ اور جب تک اس آیت کا اصلی مفہوم دل میں نہ جما لوگے اس کی شرح کو نہ سمجھ سکتے ہو نہ اس سے کچھ مذاق حاصل کرسکتے ہو۔ بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس میں شک کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے لیکن اُن ہی لوگوں کو ہدایت کرتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور غیب کی چیزوں پر اُن کا ایمان ہے اور پھر آگے اُن لوگوں کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یعنی عبادت الٰہی کرتے ہیں اور جو کچھ اُنہیں دیا گیا ہے اس میں سے خیرات کرتے ہیں غیب پر ایمان لانے کے یہی معنی ہیں کہ اُن پوشیدہ قوتوں یا جوہروں کا یقین کیا جائے جو دنیا کی ہر شے میں مضمر ہیں اور اُس سے کائنات کا بڑا سا بڑا کرہ اور چھوٹے سے چھوٹا ذرہ خالی نہیں ہے اگرچہ بقدر مراتب ان جوہروں یا قوتوں کا حصہ اُن میں ودیعت ہوا ہے۔ ان ہی پوشیدہ جوہروں سے خالق کا کھوج ملتا ہے اور ان ہی قوتوں نے ہر شے میں ایک امتیاز پیدا کر رکھا ہے۔ انسان ان ہی سے انسان بنا ہے اور حیوان ان ہی سے حیوان کہلایا ہے۔ ان پوشیدہ باتوں پر جنکا ایمان نہیں ہے اُنہیں اُن کی تلاش ہی نہیں ہونے کی اور جب تلاش نہ ہوئی تو پھر خدا کا ملنا بہت ہی مستبعد ہو جائے گا۔ ان پر ایمان رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انہیں جانے اُن کی حقیقت سے آگاہ ہو اور ان میں پیوست ہو جانے کی کوشش کرو۔ یہ قوتیں اگرچہ چھپی ہوئی ہیں مگر ان کے نام ہر زبان میں موجود ہیں اور سب نے انہیں تسلیم کر لیا ہے اگرچہ انکی حقیقت کے سمجھنے میں سب نے ہی دھوکا کھایا ہے۔ اور کم ہیں جو اُن کی تہ تک پہنچے ہوں۔ ان ہی قوتوں کے نام ہر زبان پر جاری ہیں اگرچہ وہ نام کافی احاطہ اُن کے مفہوم کا نہیں کرسکتے۔ مثلاً ایمان۔ یقین۔ اعتقاد۔ ادراک۔ فہم۔ حس وغیرہ۔ یہ الفاظ تو بیشک ہمیں یاد ہیں لیکن چونکہ ہماری زبانیں محدود ہیں اور جنہیں ہم بارہا ثابت کرچکے ہیں۔ اسلئے اُن جوہروں میں سے ایک جوہر کی ایک صفت کے ہزار ویں حصہ کا مفہوم بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ ان جوہروں کی شناخت کرنی اور یہ سمجھنا کہ صرف مادہ ہی ان صفتوں کو پیدا نہیں کرسکتا بلکہ ارض و سما کے خالق کے ہاتھ میں ہی امر وہی ان عناصر میں جن سے انسان بنا ہوا ہے یہ صفتیں ودیعت کرتا ہے اور بغیر اُس کی مرضی کے انہیں کوئی بھی نہیں پا سکتا۔ جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ضرور ایسے جوہر جو انسان کی بزرگی اور کل مخلوقات پر افضلیت کا باعث ہیں خدا کی خاص نعمتوں

میں سے ہیں اور وہی عطا کرتا ہے تو اُس خیال کے پختہ ہونے سے معًا ایسے خالق کی عبادت کا خیال آتا ہی اور وہ فوراً اپنی بے بضاعتی کا اقرار کر کے سربسجود ہو جاتا ہے بس یہیں سے معرفت اور حقیقت کے دروازے اس پر کھلجاتے ہیں اور وہ عالم روحانیات میں ترقی کرتے کرتے کامل انسان بنجاتا ہے جب انسانیت میں اُسے کمال ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے حقیقی خالق کی مخلوق کی اصلاح کی طرف رجوع ہوتا ہے اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اُسے عنایت کیا ہے وہ اپنے بھائیوں کو دینے میں دریغ نہیں کرتا خواہ روپیہ سے خواہ نصائح سے خواہ نیکی سے خواہ کسی اور طرح سے پہلا درجہ روحانی فضائل کا کمال ہے کیونکہ بغیر اسکے آدمی نہیں بن سکتا اور پھر دوسرا درجہ تمدن کا قایم کرنا ہے۔ اس سے ایک یہ بھی بات ثابت ہوئی کہ مخلوق کو وہی شخص فائدہ پہنچا سکتا ہے جسکا تعلق خداوند تعالےٰ سے ہوگا اور جسے اپنے خالق سے کوئی واسطہ نہیں ہے جس نے کبھی بھولے سے بھی اپنے معبود کو یاد نہیں کیا وہ اُسکی مخلوق پر کیا مہربانی کر سکتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیں کہ ملحدوں کے مفروضہ اصول صحیح ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آجتک این ملحدوں نے بنی نوع کی کچھ اصلاح کی اور آجتک دنیا میں ان کی ذات سے کونسے تمدن قایم ہوئے۔ انہوں نے خدا کی مخلوق کو کیا فائدہ پہنچایا اور ان کی ذاتی حالت زندگی بھر کیا رہی۔ بہت سے یورپی ملحدوں کی حکایتیں سنی ہیں کہ مرتے وقت اُن پر کیا مایوسی کی حالت طاری ہوئی اور اخیر اُنہیں اپنے مذہبی پیشوا کے آگے خداوند مسیح کا اقرار ہی کرنا پڑا کاش زندگی میں ہی اُن کے دل پر عیسائیوں کے خداوند مسیح کا کچھ اثر ہوتا تو ضرور وہ اُن کے دہنے بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت نوشجان کرتے مگر آخری توبہ سے کیا ہوتا ہے اب تو اُنہیں کچکچانا اور دانت پیسنا پڑیگا

الحمد للہ مسلمانوں میں ملحد بہت کم پیدا ہوئے اور اس کی وجہ یہی ہی کہ اسلام نہ تو یہ کہتا ہی کہ مذہب کی بنیاد کسی فوق الفطرت بات کے ایمان لانے پر منحصر ہے نہ اسلام کوئی عقل کے خلاف عقیدہ پیش کرتا ہی وہ تو یہ کہتا ہی کہ خدا کو ایک مانو اور کسی کو اُسکا شریک بناؤ اور بس۔ جب خدا پر کامل ایمان ہوگا تو نبوت اور معجزہ کا راز بآسانی سمجھ میں آجائے گا اور پھر کوئی دشواری نہیں خدائے تعالےٰ کے یہ راز ہیں جنکا پتہ اُس سے تعلق پیدا کرنے پر موقوف ہے محض عقل کے تکے لڑانے سے یہ باتیں نہیں حاصل ہوتیں۔ جو کچھ مجھے معجزہ اور نبوت کے بارے میں لکھنا تھا لکھ چکا اور خیال ہے کہ فی الحال شاید اسی قدر کافی ہو اگر یہ مضمون غور سے پڑھا گیا تو اُمید پڑتی ہے کہ بہت سے شکوک حل ہو جائیں گے اور نبوت اور معجزہ کا مفہوم آنکھ سے نظر آجائیگا محض اپنی عقل اور علم کے زور سے ہرگز خدا کا راز نہ تلاش کرو منطق اور فلسفہ کو ہرگز ایسی باتوں میں دخل نہ دو۔ بلکہ نہایت روشن ضمیری اور پاکبازی سے خدائے تعالیٰ کے اس راز کی جستجو کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

چودہواں باب

کثرت ازدواج

کثرت ازدواج کا مسئلہ چونکہ معاشرت اور تمدن سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اسلئے بہت ہی دلچسپی سے پڑھا جائیگا اور عام طور پر خیال رجوع کرنے کے لئے اس سے زیادہ ضروری مضمون شاید اور نہ نکلے۔ عورت جو انسانی معاشرت کی ایک جزو اعظم ہے ہمیشہ سے نئی نئی صورتوں میں دنیا کی تماشہ گاہ پر اُس نے جلوہ کیا ہے۔ کہیں وہ ماتا کی صورت میں آئی ہے اور کہیں بی بی اور کہیں بہن اور کہیں بیٹی کی۔ تعلقات کے اختلاف کی وجہ سے اُس کے مدارج میں بھی فرق ہو گیا اور یہ فرق اگرچہ کل قوموں میں بیّن طور پر پایا جاتا ہے مگر اس کا رنگ بھی ہر ملک میں جا کے بدل گیا ہے اور قدرت کبھی اسے ایک حالت پر قایم نہیں رکھ سکی۔ عورت جس کی تعظیم اخلاقی طور پر بہت ضروری تھی اور وہ بحیثیت اسکے کہ دنیا کی ماں ہے بہت ہی محترم گنی جاتی ہے مگر انسانی غرور نے اول روز سے اُسکا مناسب احترام نہیں کرنے دیا اور اُسے ایسی شرمناک حالت میں رکھا جس سے زیادہ شرمناک ملنی ممکن نہیں۔

اگر نفس تمدن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ واجب الاحترام چیز دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتی کیوں ایک طرف تو یہ انبیا کی ماں ہے اور دوسری طرف شہنشاہوں کی اور پھر علما اور فقرا کی اسی سے پیدا ہوئے اور اسی کا خون کھا کھا کے رحم میں پرورش پائی مگر بڑے ہو کے سب نے اُس کے واجب اعزاز سے پہلوتہی کی اور نہایت ناانصافی سے اسکے ساتھ برتاؤ کیا۔ یہ کمال اس عورت میں ہے کہ پیٹ میں یہ رکھے پیدا ہونے کے بعد پرورش یہ کرے دودھ پلائے اور نہایت بے بسی کی حالت میں انسان کی خبر گیراں ہو مگر جب وہ بڑا ہو جائے اور اُس میں قوت آ جائے تو پھر اپنی اتنی بڑی محسنہ کی طرف توجہ بھی نہ کرے بلکہ حاکمانہ طور پر اُس پر نظر کرے اور یہ سمجھے کہ جسطرح دنیا کی اور چیزیں نباتات جمادات کی قسم سے میرے فائدہ کے لئے بنائی ہیں اسی طرح ان عورتوں کو بھی میری اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے میں جس طرح ان سے چاہے پیش آؤں مجھے زیبا ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالٰے نے انسان کو ناسپاس فرمایا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اُس میں ناسپاسی کی صفت موجود ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ جبلی ناسپاس ہے۔

جب سے دنیا میں تاریخ کا کھوج لگتا ہے کبھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کسی قوم نے بھی عورت کی عزت کرنا تو کجا اُس پر رحم کھایا ہو اور اُس کے حقوق اُسے پورے دیے ہوں۔ ہمیشہ عورتوں پر ظلم ہوا اور ہمیشہ اُن کے حقوق غصب کیے گئے اور بلا وجہ اُن پر تاخت کی گئی۔ اسلام اگر اُن کی حمایت نہ کرتا تو وہ خبر نہیں بربادی کی کس حد تک پہنچ جاتیں اور اُس سے مخلوق پر کس درجہ تباہی آتی۔ عورت کیسی ہی پارسا ہو اور کیسی ہی عاقل اور ہوشمند ہو مگر مرد کے آگے نادان سمجھی جاتی ہے اور کبھی اس سے اہم معاملات میں مشورہ نہیں لیا جاتا اور نہ اُس کی کسی بات پر عمل کیا جاتا ہے

حضرت مسیح علیہ السلام جیسا عیسائیوں کا خیال ہے بے باپ کے پیدا ہوئے اگر یہ سچ بھی مان لیا جائے تو معجزہ
حضرت بی بی مریم علیہا السلام کا تھا نہ کہ حضرت مسیح کا مگر قوم نے اپنی اسی موروثی عادت کے بموجب اور اپنی جبلی خباثت
کی بنا پر حضرت مریم کو تو پوچھا بھی نہیں اور حضرت مسیح کو لے اڑے اور آخیر انہیں تیسرے آسمان پر چڑھا دیا زیادہ
حمیت کا جوش آیا تو حضرت مسیح سے ان کی ماں کو جھڑکیاں دلوادیں اور گھر میں تک نہ گھسنے دیا۔ یہ تعظیم ہے جو گزشتہ
دنیا نے عورتوں کی کی اور یہ توقیر ہے جو اس کائنات کی ماں کی گئی۔ موجودہ زمانہ میں عورتیں خواہ کتنی ہی ترقی کر جائیں
لیکن رہیں گی مرد ہی کی دست نگر اور اس وجہ سے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

عورتوں کی ایک دردانگیز کہانی ہے اور ان کی بیتی ایسی خون آلود ہے کہ سخت سے سخت دل بھی چار لفظ نہ سن
سکے گا۔ دنیا کی پیدائش سے اب تک (سوائے زمانہ اسلام کے) عورتوں کا ہمیشہ زوال رہا ہے اور انہوں نے
کبھی قوم کے ساتھ ترقی نہیں کی اور نہ انہیں کبھی کچھ عروج ہوا۔ وہ ہمیشہ مطیع رکھی گئیں اور وہ بھی اس بری طرح سے
کہ خدا نہ دکھائے۔ رومۃ الکبریٰ جو مغربی عیسائیت کا پائے تخت تھا عورتوں کے لحاظ سے سخت زبون تر حالت
میں تھا۔ پادریوں کے ادنے سے اشارہ میں شاہراہوں پر ذبح کروا ڈالی جاتی تھیں اور بے درد اف تک نہ کرتے
تھے۔ انہیں نہ مثل لونڈیوں کے بنا رکھا تھا بلکہ سنگدلی سے ان پر جابرانہ حکومت کرتے تھے۔ نہ ان کی آسائش
سے غرض تھی اور نہ خوشی سے وہ چاہے دکھ میں رہیں یا خوشی میں رکھیں مرد کو خوش۔ ان کے خلاف پادریوں کے
جتنے فتوے جاری ہوتے تھے ان کی بہت آسانی سے بے چون و چرا تعمیل ہو جاتی تھی اور ان کی جان سب سے زیادہ
ضیق میں پھنسائی جاتی تھی۔

جادو کے الزام میں بھی خدا کی اسی مظلوم مخلوق پر دنیا میں کیا کیا آفتیں برپا ہو گئیں اور کیا کیا ستم ٹوٹ گئے کس
طرح ایشیا اور یورپ میں زندہ جلا دی گئیں اور کس بے دردی سے انہیں تھوتھے تیروں اڑا دیا گیا حاملہ عورتوں
کے پیٹ چاک کر کر کے بچے نکالے گئے اور اف ظالموں کو ذرا ترس نہ آیا۔ جتنے خراب نام کہ انسان اپنی زبان میں
تراش سکتا تھا سب ان ہی بدبختوں کے لئے موزون کئے گئے اور پھر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ انہیں شیر خوارگی کی حالت
میں زندہ درگور کیا گیا اور نامردوں نے اپنی اس بزدلی پر بغلیں بجائیں۔ اف سنگدلی تو کیسی بے رحم ہے کہ تجھے کبھی
ان معصوم بچیوں پر ذرا رحم نہ آیا جن مظالم کا ذکر پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہ دیدہ دانستہ بے گناہ بے بس
عورتوں پر توڑے گئے اور ذرا بھی درد نہ آیا۔ وحشی اقوام کے وحشی معبودوں کے قدم مدت تک بے گناہ عورتوں کے خون
سے تر رہے ہیں۔ خانقاہوں اور گرجوں کے تہ خانے اور مندروں کی کوٹھریاں ان بے گناہوں کی لاشوں سے
مدتوں سڑا کی ہیں۔ ایک صاحب یا پادری کا معمولی اشارہ صدہا عورتوں کے لئے عزرائیل کا حکم رکھتا تھا۔ انہیں
صدیوں نہایت شرمناک حالت میں رکھا گیا ہے وہ شرمناک حالت جو نہ آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے نہ خیالی
اوہام ان کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ رومۃ الکبریٰ میں کیا ہوا۔ مشرقی سلطنت یعنی قسطنطنیہ میں کیا بیتی ہندوستان میں
ان سے کیا سلوک کیا گیا ایران میں ان پر کیا کیا آفتیں نازل ہوئیں اور سب سے زیادہ یورپ میں ان پر کیا کیا ستم ٹوٹے

گئے۔ عیسائیوں کی خانقاہوں اور گرجوں نے ہندؤں کے مندروں اور شوالوں نے آتش پرستوں کے آتشکدوں نے یہ کل شرمناک اور خونی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور وہ کل قیامت کے دن رب الافواج کی بارگاہ میں عورتوں کے مظالم کی عینی شہادت دیں گے۔

جہاں اُن پر یہ ظلم کئے جاتے تھے وہاں اُن کی اخلاقی حالت کو بھی بالکل مٹایا جا رہا تھا۔ ایران میں تو بیٹی اور بہن کی تمیز ہی اُٹھ گئی تھی مشرقی نصاریٰ ماں کو ماں ہی نہ سمجھتے تھے اور ہندؤں نے تو انہیں یہاں تک برباد کیا تھا کہ ایک ہی عورت کئی بھائیوں سے تعلق پیدا کرے۔ جسمانی سزاؤں کے علاوہ یہ اخلاقی آفتیں تھیں جو اُن پر توڑی جاتی تھیں اور کائنات کی ماؤں کی علانیہ یہ دُرگت بنائی جا رہی تھی پیغمبر اوتار اور مصلح پیدا ہوئے اور اپنی ہی جنس کے بہبودی کے قواعد بنا کے چل دیئے مگر کسی نے بھی سوائے خاتم النبیین کے ان کی دردناک حالت پر توجہ نہیں کی حضرت موسےٰ حضرت داؤد حضرت یعقوب علیہم السلام نے عورتوں کے ساتھ کیا کیا اور کون سے احکام نافذ فرمائے۔ حضرت مسیح نے عورتوں کے کون سے حقوق برقرار رکھے ہندوستان میں ویدوں کے مصنفوں نے کیا کیا اور بودھ نے اپنے اصلاحی اور فنا فی اللہ مذہب سے عورتوں کو کیا فائدہ پہنچایا۔ کچھ بھی نہیں بس اگر کیا تو یہ کیا کہ اُنہیں اور بھی آفت میں پھنسا دیا اور اُن کی کچھ بھی چارہ جوئی نہیں کی۔

دنیا میں اگرچہ کل قوموں کے مرزبوم کے اختلاف کی وجہ سے خیالات۔ محسوسات۔ معاشرت اور تمدن بالکل الگ الگ ہیں مگر عورتوں کے معاملہ میں یہ عجیب بات ہے کہ سب کی ایک ہی رائے اور ایک ہی خیالات ہیں اور جہاں تک ممکن ہوا ہے ہر شخص نے دوسرے شخص کی تائید ہی کی ہے ظلم کی ایک حالت ہے جو جنوب و شمال اور مشرق و مغرب یکساں پائی گئی ہے اور اس میں نہ یورپ میں جا کے کچھ فرق آیا ہے اور نہ ایشیا میں جا کے سمجھنے کی بات ہے کہ جس چیز سے دنیا دنیا بنی وہ کتنی احترام کے قابل ہونی چاہئے مگر نہیں اُسے حتی الامکان قدموں کے نیچے کچلا گیا اور اُس کے برباد کرنے کی کوشش کی گئی۔ نہ مذہبی قوانین نے عورتوں کی رعایت کی نہ ملکی قوانین نے اُن پر کچھ ترس کھایا۔ ان کے حق میں تو سب ہی عزرائیل ثابت ہوئے اور ان کے گلے پر تو ہمیشہ سب کی چھری تیز رہی۔

جتنی قومیں دنیا میں ہوئیں اور برباد ہو گئیں اور جتنی قومیں کہ آج دنیا میں موجود ہیں سوائے ایک قوم کے (بشرطیکہ اسے اُس کے دینی پہلو سے دیکھا جائے) کوئی قوم نہ ایسی ہوئی نہ اب موجود ہے جس نے عورتوں کا پاس و لحاظ کیا ہو اُنہیں مردوں کے پہلو بہ پہلو حقوق دیئے ہوں اور اُن کی ایسی تعظیم کی ہو کہ اُن کے قدموں کے نیچے جنت رکھدی ہو یعنی اُن کی طاعت کو نجات کی کنجی بنایا ہو۔ کس نے عورتوں کو ام المومنین کا محترم لقب دیا ہے اور کس نے عورتوں کو مردوں کا سرتاج بنایا ہے۔ قرآن نے جہاں روحانی فضائل کی بنیاد دنیا میں قایم کی ہے وہاں انسانی تمدن کو بھی آسمان پر چڑھا دیا ہے اور کائنات کی ماں یعنی عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی پیمانہ میں رکھا ہے مثلاً جہاں اولاد کو حکم ہوا ہے کہ تم اول کس پر احسان کرو تو وہاں "والدین" کا لفظ فرمایا ہے۔ اس میں ماں باپ

دونوں ہی آگئے اب یہاں سے گویا عورت و مرد کی مساوات کا سلسلہ شروع ہوا اور اس نے بیسیوں ظالم کی تقویم پارینہ کو بالکل پارہ پارہ کردیا۔ یہ ایک عجیب اصول تھا جو اسلام نے تمام دنیا کے خلاف قایم کیا اور یہ ایک اعجوبہ قانون تھا جو دنیا نے اس سے پہلے کبھی آنکھ سے نہ دیکھا تھا۔ اگرچہ اب یہ محض معمولی نظروں سے دیکھا جائے گا مگر جب یہ خیال جائے گا کہ یہ حکم کس وقت دیا گیا تھا تو اس کی وقعت پوری اُسوقت دل میں جمے گی۔ دنیا ایک ہی طریقہ پر چل رہی ہو اور تمام عالم کا ایک ہی خیال ہو اور پھر ایک شخص دنیا کے بدترین خطہ میں پیدا ہو کے مخالفت کرے اور دنیا سے لڑنے کھڑا ہو جائے اور پھر اپنے اس دشوار کام میں تمام اقوام سے بازی لیجائے فی الحقیقت ایک نادر الوجود بات ہے بظاہر فطرت نے عورت و مرد میں فرق رکھا ہے اور دونوں کی جسمانی بناوٹ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ چھپا ہوا نہیں ہے مگر اس اختلاف کا یہ نتیجہ نہیں ہوسکتا کہ عورت مرد کی اطاعت کرے اور اطاعت بھی کیسی کہ مثل جمادات۔ نباتات کے اس کے مقابلہ میں سمجھی جائے۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو عورتیں نہ کرسکیں وہ کسی حالت میں معذور نہیں ہیں۔ میدان جنگ میں انہوں نے کام کیا ہے اور جہانداری میں یہ حصہ دار اور ناموری ہیں۔ ان کے کارنامے عالم میں مشہور ہیں اور ان کی ذہانت، طباعی، اور عقل کی زمانہ نے ہمیشہ داد دی ہے۔ باانیہمہ ہر قوم نے ان پر ظلم کیا اور دنیا کے ہر ملک میں انہیں انسانی اشرفیت کا ایک بدنما داغ خیال کیا گیا۔ رحم اور صبر فطری طور پر ان میں زیادہ ودیعت ہوا ہے اور یہ بہ نسبت مردوں کے زیادہ جفاکش اور محسن پرست ہوتی ہیں۔ ان بیچاریوں پر طرح طرح کے حملے کئے گئے کبھی انہیں انتہا درجہ بزدل ثابت کیا گیا کہیں ان کی عصمت پر منہ آیا گیا اور کہیں انہیں شیطان سیرت بتایا گیا ہمیشہ ان کے عیب تل کے پہاڑ بنا کے دکھائے گئے اور مردوں کے مقابلہ میں بہر صورت انہیں ناچیز ٹھہرایا گیا۔ وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایک ہی جرم ہے اور دو عورت و مرد اُس کے مرتکب ہیں مرد سے تو کچھ نہ کہا جائے مگر عورت کی گردن ماردی جائے۔ مرد نے زبردستی خلاف فطرت عورت کو اپنا محکوم بنالیا ہے اور وہ اس پر جابرانہ حکومت کرتا ہے۔ عورتوں کے فریب اور دغابازیاں ہر قوم میں مشہور ہیں اور عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ عورت سے زیادہ فریبی دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ مگر یہ یکطرفہ فیصلہ ہے خود ہی مدعی خود ہی مجوز بنکے جو ہے جو کچھ کردیا فیصلہ ہمیشہ ثالث شخص کیا کرتا ہے اور چونکہ ثالث کوئی ہے نہیں اسلئے اُس فیصلہ کی کوئی وقعت نہیں جو مدعی نے خود ہی کرلیا ہو۔ عورتوں کے سر جسقدر فریب چپکے جاتے ہیں اگر وہ سب تسلیم کرلئے جائیں پھر بھی اُن دغابازیوں اور جعلسازیوں سے جو شب و روز مرد کرتے رہتے ہیں عورتوں کا درجہ بہت ہی گھٹا رہے گا اگر مرد نے لاکھ خون کئے ہیں تو عورت نے بمشکل ایک کیا ہوگا اگر مرد نے ہزار بار فریب کیا ہے تو عورت نے ایک بار کیا ہوگا۔ یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں کہ ان سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مگر محض ذاتی اغراض کو مد نظر رکھ کے اپنے معائب سے چشم پوشی کی گئی ہے اور عورت کے ہر ادنے سے ادنے عیب کو بانس پر چڑھایا ہے۔ عورت کی بدکاری سخت پر خوف نظروں سے دیکھی جاتی ہے جبکہ مرد کی بدکاری پر اتنا خیال نہیں کیا جاتا۔ یہ انتہا درجہ کی خودغرضی نہیں تو اور کیا ہے۔ عورت ایک دفعہ عیب کرنے کے بعد پھر تمام عمر کسی کام کی نہیں رہتی مگر مرد تمام عمر بھی عیب کرے اس کے

عیب عیب ہی نہیں گنے جائیں گے۔

حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا ہے دو سلطنتیں ہمسایہ بھی تھیں اور قوی ترین بھی تھیں ایک زرتشتی مذہب کا پائے تخت تھا اور دوسرا مشرقی عیسویت کا دار الامارۃ تھا یعنی ایران اور قسطنطنیہ روۃ الکبریٰ کا کبھی کا چراغ گل ہو چکا تھا اور وحشی قومیں کبھی کی اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا چکی تھیں۔ ایران میں تو عورتوں کے لئے کوئی بھی قانون نہ تھا نہ اُن کے کچھ حقوق سلطنت کی طرف سے اُنہیں عطا ہوئے تھے اور نہ شوہر کے گھر جانے سے وہ کسی قسم کے حقوق حاصل کر سکتی تھیں۔ بلکہ اُن پر تمام دنیا کے حق تھے اور ذلیل سے ذلیل کام لینا جائز قرار دیا گیا تھا۔ اسی آزادی نے قدیم سے کئی کئی شادیوں کی رسم کی دنیا میں بنیاد قایم کی اور لوگ محض اس وجہ سے کہ یہ مثل ایک بازار کی چیزوں کے ہیں جتنی چاہتے گھروں میں بھر لیتے۔ بس اُن کی خبر گیری اسی قدر کی جاتی تھی کہ بہت معمولی کھانا دیدیا موٹا جھوٹا کپڑ پہنا دیا اور اسکے صلہ میں اُن سے تمام دنیا کے کام لیئے اس کے علاوہ اور کسی قسم کی خبر گیری سے کام نہ تھا اور مثل بیکار جانوروں کے اُنہیں سمجھا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ خیال تھا کہ دنیا میں عورتیں صرف اولاد کے لئے پیدا کی گئی ہیں ورنہ ایسی بیکار چیز کے پیدا کرنے کی اور کوئی غرض نہیں ہو سکتی تماشہ کی بات ہی کہ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ تو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور کل وارث وہی قرار دی جاتی تھی مگر اس کمبخت کے لئے وہی ڈھاک کے تین پات موجود تھے۔ مثلاً ہندوؤں کے ملکی قانون میں موجود ہے کہ بی بی خاوند کی جائداد میں سے سوائے گزارہ وقات کے اور ایک پیسہ لینے کی مستحق نہیں ہے اور قانوناً اُسے کچھ بھی اختیار نہیں ہے کہ بیٹے کے مقابلہ میں جو اُسی کے بطن سے ہے ایک پیسہ بھی لے سکے اسیطرح بھائیوں کے مقابلہ میں وہ اپنے باپ کے ورثہ کی بھی مالک نہیں بن سکتی اور اس حسرتناک حالت میں وہ اپنی زندگی گزار دیتی ہے۔ وہ مظالم جو قدیم زمانہ میں عورتوں پر ہو چکے ہیں اُن کا بقیہ چلا جاتا ہے اور شاید جب تک یہ کل قومیں مسلمان نہ ہو جائیں عورتوں کی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ ایران کی بھی یہی کیفیت تھی بلکہ ایرانی معاشرت تو ہندوستان سے بھی کئی درجہ آگے بڑھ گئی تھی۔ ہندوستان میں تو صرف اسی قدر تھا کہ چار بھائی ایک ہی عورت سے شادی کر سکتے تھے اور بعض اوقات عورت جبراً رضی کی جاتی تھی کیا کرتی ظلم ظالم۔ مارے اور رونے نہ دے مگر ایران میں صلبی تعلقات پر بھی مٹی پڑ گئی تھی سگی بہن بیٹی اور بعض اوقات ماں بھی بی بی بنالی جاتی تھی اور ایک شخص کے لئے اُس کی بیٹی اسلئے جائز کر دی گئی تھی کہ باغبان جس طرح درخت بو کے اس کا پھل کھانے کا قدرتاً حقدار بنایا گیا ہے اس بنا پر باپ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ بیٹی کو اپنے استعمال میں لائے۔ اگرچہ ایران میں اس قبیح رسم کو کوئی عیب نہیں گنا جاتا تھا اور چونکہ عام طور پر رائج تھی اس نظر سے یہ کچھ عیب بھی نہ رہی تھی۔ تو بھی عورتوں کی انتہائی نکبت کا اس سے پتہ چلتا ہے۔ جب ان ناپاک تعلقات کا سلسلہ قایم تھا پھر ادب آداب اور عورتوں کی تعظیم و تکریم اور اُن کے حقوق کیوں کر قایم ہوتے۔ اگر تھوڑی دیر کیلیئے ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ رشتے دنیا میں انسان کے قایم کئے ہوتے ہیں۔ اور خدا کو اس میں کچھ دخل نہیں تو ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ یہی قاعدہ دنیا میں جاری ہو جائے تو پھر معاملات تغیر و تبدل۔ انتقال جائداد۔ پاس وادب حقوق کی نگہداشت جو تعلق

کے اجزا ہیں کیوں کر قایم رہ سکتی ہے اور جب دنیا سے تمدن اٹھ گیا تو پھر آبادی اور سرسبزی۔ ہر ایک کام میں باقاعدگی انتظام کیوں کر قایم رہ سکتا ہے۔ یہ تعلقات اگر براہ راست خدا کی طرف کے قایم کئے گئے ہیں تو الحمدللہ پھر تو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر انسان نے قایم کئے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ جس عقل نے یہ قوانین تراشے وہ فطری عقل ہے اور اس میں ایزدی تائید ضرور ہے۔

سلطنت مشرقی یعنی قسطنطنیہ کی وہی کیفیت تھی یہاں کثرت ازدواجی نے بہت ہی وقتیں پیدا کر دی تھیں۔ پادری اگرچہ شادی نہیں کرتے تھے مگر شادی والوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ اسی طرح خانقاہوں میں جہاں خداوند مسیح کی مجسم تصویر کی پرستش ہوتی تھی اور جہاں روح القدس روزمرہ تیسرے آسمان سے پادریوں پر نازل ہوتی تھی زناکاری کی انتہا ہو چکی تھی۔ پادریوں کا لوہا چونکہ سب پر تیز تھا اس لئے اُن کے فیصلہ سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا تھا۔ سب کی بہو بیٹیاں اُن کیلئے جائز اور حلال تھیں اور مظلوم عورتیں بھی اپنی جان اور اپنے رشتہ داروں کی بربادی کے خوف سے اپنی عصمت کا تاج فروخت کرنے میں کچھ بھی پس و پیش نہ کرتی تھیں۔ باہمہ پادری اپنے تقدس کی وجہ سے اس تعلق کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اسلئے حاملہ عورتیں اُن تہ خانوں میں رہتی تھیں جو ہر خانقاہ اور ہر گرجے میں بنے ہوئے تھے۔ وہیں اُن بیگناہ لڑکیوں کا وضع حمل ہوتا تھا اور وہیں رحم دل پادری کے حکم سے نوپیدا بچہ مار دیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح روح القدس کی برکت کی پوری تکمیل ہو جاتی تھی۔

جب تک سلطنت مشرقی میں شخصی حکومت رہی عام طور پر زیادہ عورتوں کے رکھنے کی روک ٹوک رہی مگر جب سے پادریوں کی جمہوری حکومت کا رنگ سلطنت نے اختیار کیا یہ قید بھی جاتی رہی اور عام طور پر ہر شخص کو اجازت ہو گئی کہ وہ جاہے جتنی عورتیں رکھے۔ ساتھ اس حکم کے عورتوں کے حقوق میں کچھ بھی رعایت نہیں کی گئی اور نہ نہیں کوئی ایسا قانون دیا گیا کہ وہ مردوں کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کر سکیں۔ انہیں مثل اثاث البیت کے خیال کیا جاتا تھا۔ عدالتیں تھیں۔ مجسٹریٹ اور منصف تھے مگر عورتوں کے لئے اُن کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ خاوند کو حق حاصل تھا کہ وہ جاہے جس طرح اپنی بیبیوں کو رکھے اُن کی جانوں کا بھی اُسے اختیار حاصل تھا اور اُن کے مال کا بھی وہی مالک ہوتا تھا چونکہ حضرت مسیح نے کوئی صاف یا مبہم حکم عورتوں کے حقوق کا نہیں دیا تھا اور نہ کثرت ازدواجی کی طرف کوئی اشارہ کیا تھا اسلئے ہر شخص سلطنت کی طرف سے عورتوں کو رکھنے اور اُن سے ہر قسم کا برتاؤ کرنے کا مجاز کر دیا گیا تھا۔

ان سلطنتوں کی تو یہ کیفیت تھی مگر جہاں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا وہاں عورتوں کی اور بھی ناگفتہ بہ حالت تھی۔ سوتیلی ماں کو بی بی بنا لینے کا قانون نصرانیوں میں عام طور پر جاری تھا۔ نوپیدا بچیوں کو زندہ درگور کر دینے کی ہولناک رسم بہت شدت سے کی جاتی تھی۔ یہودی۔ نصرانی۔ بت پرست اور ستارہ پرست قومیں سب کئی کئی بیبیاں رکھتی تھیں مگر انہیں مثل معمولی جانوروں کے خیال کیا جاتا تھا۔ اور خاندان میں اُن کی کوئی بھی وقعت نہ تھی اس زمانہ میں حضور انور کا ظہور ہوا اور آپ نے بہت غور اور درد سے عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھا اور آپ نے ان کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ قدم قدم پر ذات باری تعالے کی تائید شامل تھی اور آپ کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے سرزد

ہوتا تھا آپ نے عورتوں کی معاشرت کو جیسا بلندی پر پہنچایا قیامت تک فرقہ اناث آپ کا ممنون رہے گا۔ آپ نے سب سے پہلے عورت و مرد کے اُس امتیاز کو دور کیا جس سے عورتیں بے حقیقت لونڈیاں اور مرد اُن پر حاکم بن گئے تھے۔ آپ نے دونوں کے جرم کو ہموزن قرار دیا۔ اور زانی اور زانیہ کی ایک سزا رکھی۔ ساتھ ہی آپ نے دونوں کے حقوق کی مساوات کی اور ایک قدیم فرق کو یہیں سے اڑا دیا۔ آپ نے اُن کے مدارج مقرر کئے اور سب کے ساتھ احسان کرنا فرض قرار دیا۔ آپ نے اگر مرد کو طلاق دینے کی قوت دی تو عورت کو اُس کے مقابلہ میں خلا کی قوت عنایت کی۔ آپ نے لڑکی کا ورثہ باپ کی جائداد میں سے بھائیوں کے مقابلہ ایک حصہ مقرر فرمایا اس وجہ سے کہ لڑکی کو اپنے خاوند کا بھی حصہ ملے گا اور ساتھ ہی مہر کا بھی وہ حق رکھتی ہے اور لڑکے کو دوہرا حصہ اسلئے دیا کہ وہ کسی غیر شخص کے ورثہ کا مالک نہیں ہوسکتا۔ قاضی مقرر فرمائے اور عورتوں کو بالکل آزادی دے دی کہ اگر اُن کا خاوند کوئی تکلیف دے یا ظلم کرے تو فوراً قاضی سے دادرسی کی جائے۔ عورت اپنے مال کی آپ مالک ہے اور خاوند کسی صورت سے بغیر اُسکی مرضی کے اُس کے مال کا مالک نہیں بن سکتا ہمیشہ اُسے اپنے خاوند سے مہر لینے کا حق حاصل ہے اور وہ بغیر خاوند کی اجازت کے اپنے قرضدار پر عدالت میں دعویٰ کرسکتی ہے۔ اور ان سب باتوں پر مافوق یہ بات ہے کہ اگر عورت نصرانی ہے اور خاوند مسلمان وہ ہرگز اپنی بی بی کو گرجے میں جانے اور مذہبی ارکان ادا کرنے سے نہیں روک سکتا اس سے زیادہ آزادی دنیا کے کس مذہب اور کس ملک گروہ نے عورت کو دی عورت کو کائنات کی سچی ماں بنا دیا اور اُسکا احترام اسی شدومد سے کیا گیا جتنا کہ ہونا لازمی تھا۔

اب بحث یہ ہے کہ اسلام میں کثرت ازدواجی کا مسئلہ کس حد تک رائج ہے اور اس کی اصلیت کیا ہے آیا یہ ایجاد مسلمانوں کی ہے یا پہلے بھی یہ مسئلہ اُن میں جاری تھا۔ اسلام نے اس مسئلہ کے متعلق کیا رائے ظاہر کی ہے اور اسے کس حد تک سلجھایا ہے اور کتنی اس میں اصلاح کی ہے۔ اور اسلام کے کثرت ازدواجی کے کیا معنی ہیں غور کرنے کا مقام ہے کہ اب بھی یعنی اس تمدن اور تہذیب کے زمانہ میں بھی دنیا کے تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں کثرت ازدواجی جاری ہے۔ خواہ جائز طریقہ پر اور خواہ ناجائز صورت سے اور کبھی دنیا اس سے خالی نہیں ہوئی نہ آئندہ کوئی امید کی جاتی ہے کہ یہ مہیب رسم انسان میں سے مٹے گی۔ اگر یہ بھی قبول کر لیا جائے کہ مسلمانوں میں کئی کئی نکاح کرنے جائز ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اُن کے ہاں جائز طریقہ سے کثرت ازدواجی جاری ہے برخلاف متمدن اقوام یورپ کے کہ اُن کے ہاں کثرت ازدواجی جاری تو ہے مگر ناجائز اور مہیب طریقہ سے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ناجائز طریقہ قوم اور ملک کے لئے کیسا خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ پیرس۔ لنڈن۔ برلن۔ اور وائنا کے سیاح جنہوں نے مدتوں رہکے ان مغربی ممالک کی معاشرت دیکھی ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کثرت ازدواجی کس مہیب طریقہ پر جاری ہے اور تمدن پر اس کا کیسا خطرناک اثر پڑ رہا ہے منصف مزاج یعنی حق گو شخص کہہ سکتا ہے کہ فی ہزار مشکل سے ایک شخص ایسا نکلیگا جو ناجائز کثرت ازدواجی سے بچا ہوا ہو ورنہ سب اس بلا سے بے وساں ہیں گرفتار ہیں۔ اگر اس ناجائز کثرت ازدواجی کے کوئی نئے معنی پیدا کر لئے

یا اسے مغربی تمدن کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے تو یہ دوسری بات ہے مگر انسانی اخلاق کی رو سے ایسی کارروائی
سخت ناجائز اور خلاف شان ہے۔ پیرس کی جو کچھ حالت ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور اسی طرح یورپ کے
کل پایۂ تختوں کی بھی کیفیت ہے۔ ایک کتاب میں جس پر مصنف کا نام نہیں لکھا ہے اور جو یورپ میں انتہا درجہ مقبول
ہے اور جو یورپ کی ہر زبان میں کئی کئی بار طبع ہو چکی ہے اور جس کا نام ایلیمنٹس آف سوشیل سائنس ہے۔ یورپ
کی کثرت ازدواجی کی بحث ہے اس نے دکھایا ہے کہ پیرس میں بالخصوص کیا خرابی پھیلی ہوئی ہے۔ وہاں حرام کاری
کے لئے کیسے اڈے بنے ہوئے ہیں اور کس طرح غریب دیہاتیوں کی ناواقف دوشیزہ لڑکیاں محض فریب دیکے
امرا کے لئے لائی جاتی ہیں اور امرا کی حالت کیسی خراب ہے اور فرقہ اناث کی کیا کیفیت ہے اور وہ علم طور
پر ایک شراب کے پیالہ پر کس طرح اپنی عصمت علانیہ فروخت کر ڈالتی ہیں اور ایک ایک دولتمند شخص کتنی کتنی لڑکیوں
سے تعلق رکھتا ہے اور عام طور پر یہ ناپاک رسم سارے بر اعظم یورپ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس
جم غفیر میں پارسا عورت و مرد بھی ضرور ہوں گے مگر ایسوں کا شمار صرف انگلیوں پر ہے اور کوئی شخص نہیں کہ سکتا
کہ ان کی ہمیشہ یہی کیفیت رہے گی۔ ڈاکٹر موسیو لیبان مصنف تمدن عرب نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں
کا جائز کثرت ازدواج یورپیوں کے ناجائز کثرت ازدواج سے ہزارہا درجہ بہتر ہے۔ اسلام پر جس دریدہ دہنی سے نکتہ چینی
کی جاتی ہے اور جس بری صورت میں اسے پیش کیا جاتا ہے وہ مہیب صورت بھی یورپ کی موجودہ معاشرت کے آگے
کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ فی الحقیقت عصمت عنقا ہو گئی ہے اور یورپی ممالک میں اس کا بمشکل کہیں پتہ ملتا ہے۔ فرض
کہ اسلام میں اگر دو دو چار چار بیبیوں کے کرنے کی رسم رائج بھی ہو پھر بھی ایک منصف مزاج شخص کے آگے اُن کا یہ فعل
بدرجہ مستحسن گنا جائیگا۔ اور یورپ کی ناجائز کثرت ازدواجی سخت مکروہ معلوم ہوگی جب سے دنیا کا ظہور ہوا ہے کثرت
ازدواجی کی رسم ہر قوم میں برابر چلی آتی ہے اور اس وقت بھی تمام دنیا پر بڑے زور شور سے جاری ہے۔ ایسے
شخصوں پر ہنسی آتی ہے جو مسلمان تو نہیں ہیں مگر ہندو یا عیسائی ہیں جب کبھی کثرت ازدواجی کا ذکر آتا ہے تو بہت ہی
آنکھ بھوں چڑھا کے کہتے ہیں کہ مسلمان کئی کئی بیبیاں کر لیتے ہیں یہ قوم نفسانی خواہشوں میں کیسی گرفتار ہے مگر جب
وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور باقرار صالح شہادت دیں کہ سوائے دو ایک صابر اور زاہد نفوس کے کون شخص ہے
جو صرف اپنی بیبی پر قانع رہا اور اس نے کسی دوسری طرف آنکھ بھر کے نہیں دیکھا بڑے بڑے رئیسوں رئیس
زادوں کی کیفیت ہمیں معلوم ہے غربا اور متوسط درجے کے لوگ بھی اس میں گرفتار ہیں پھر ایسی شرمناک معاشرت
میں مبتلا ہو کے مسلمانوں کی جائز معاشرت پر اعتراض کرنا یہ کچھ خوبی کی بات نہیں ہے۔

دوسرا پہلو ہماری بحث کا یہ ہے کہ جس ہیبت ناک طریقہ سے اسلام کی کثرت ازدواجی دکھائی گئی ہے اس
میں حق سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی حق بات قلم سے نہ نکل جائے ہم اس مسئلہ
پر بھی ایک بسیط بحث کریں گے اور خدا کی امداد کی امید پر ہم کہ سکتے ہیں کہ ہماری کثرت ازدواج کی بحث ایک حد تک کامل
ہوگی مطلب بھی صاف عیاں ہو جائے گا اور معترضوں کے کل اعتراض بھی رفع ہو جائیں گے سخت افسوس سے

لکھا جاتا ہے کہ پچھلے سال ایک ایسی کتاب کی ہندوستان میں اشاعت ہوئی ہے جو نہ صرف نہایت بدتہذیبی سے
لکھی گئی ہے بلکہ بانی پی پی کے کوسا گیا ہے اور جی بھر بھر کے خدا کی کروڑہا توحید پرست مخلوق کے ہادی برحق کو
ناپاک سے ناپاک گالیاں دی گئی ہیں۔ وہ کتاب ہم نے بھی دیکھی تھی اور ہمیں اس نظر سے سخت افسوس ہوا تھا
کہ تعلیم یافتہ انسان ہو کے ایسا ناشائستہ بنے اور ایک ایسے معصوم نبی کی شان میں جسے ۱۳ صدیاں گزر چکی ہوں
یوں دریدہ دہنی سے حملہ کرے۔ اس ناپاک کتاب کے کئی جواب بھی لائق مسلمانوں نے دیئے اگرچہ وہ جوابات بہت
ہی اچھے اور کامل ہیں مگر پھر بھی ہر شخص کو اس وسیع اور عمیق مضمون پر بحث کرنے کی بہت ہی گنجایش ہے اور امید پڑتی ہے
شاید پے در پے کی بحثوں سے کوئی نئی بات اور پیدا ہو۔

تمام اعتراضات جو امہات المومنین یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر کئے جاتے ہیں ان کی اگرچہ
کوئی بنیاد نہیں ہے مگر انہیں جھوٹی منطق اور فرضی وخیالی فلسفہ کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ ناواقف غیر مسلم ان سخت
نکتہ چینیوں کو دیکھ کے سر دھننے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں یہ یہ خرابی بھری ہوئی ہے اور اس سبب سے
اسلام کا یہ دعویٰ کہ مجھے دوسرے ادیان پر شرف حاصل ہے کرکرا ہو جاتا ہے۔ ناواقف کچھ ہی کیوں نہ خیال
کریں ہمیں اس سے بحث نہیں اگر وہ تاریکی میں رہنا چاہتے ہیں رہیں انہیں اختیار ہے ہمیں تو اپنا سیدھا مسلک اختیار کرنا
چاہیئے شاید ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور ناظرین کا ایک حد تک اطمینان کر سکیں۔

ہمیں سب سے پہلے حضور انور کی اصلی منشا کو بغور دیکھنا چاہیئے اور ان نکاحوں کی فطرت پر غور کرنا چاہیئے جو آپ نے
اپنی مبارک زندگی میں کئے۔ اگر ان کی فطرت کا ہمیں پتہ لگ گیا تو ہم سمجھینگے کہ ہم نے اسلام کا ایک اہم فرض انجام
دیا۔ یہ مسئلہ اگرچہ بہت صاف ہے مگر بعض اختلافی روایتوں نے اُسے ایسا پیچیدہ بنا دیا ہے کہ ایک محقق کو بعض اوقات
اس کے سلجھانے میں سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض علما کی مختلف رایوں نے
اس مسئلہ کو گونا دشوار بنا دیا ہے اور اس کا سمجھنا ایک حد تک مشکل ہو گیا ہے اور حق بہت ہی گہرائی میں چلا گیا ہے
مگر پھر بھی ایک محقق کے لئے تحقیق کا بڑا میدان موجود ہے اور وہ ان ہی متضاد روایتوں سے سخت دقتیں اٹھانے
کے بعد حق کے دریافت کر لینے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے دنیا میں اگر کوئی کتاب ہو سکتی ہے اور ان کے تمام قضیوں اور اختلافات کا فیصلہ
کر سکتی ہے تو وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اس میں کھلی کھلی باتیں بھی ہیں اور فطرت کے راز بھی چھپے ہوئے
ہیں۔ اور اس قسم کے کل اعتراضات کے جو آجکل چاروں طرف سے ہو رہے ہیں شافی اور کافی جوابات بھی ہیں اسی
میں عورتوں کا بھی بیان ہے اور کہیں کہیں برسبیل تذکرہ آپ کی بعض ازواج کا بھی حال ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اسی کے سمجھنے
میں اب تک بہت غلطی کی گئی ہے اور یہ اسی غلط فہمی کی وجہ ہے کہ مسلمان خمیازہ اٹھا رہے ہیں اور ایک دوسرے
سے دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ اگر ان آیتوں کا مطلب بخوبی سمجھ لیا جاتا اگر اس راز سے جو خداوند تعالیٰ نے
اس میں مضمر رکھا ہے خبرت حاصل کر لیجاتی تو پھر اس کے مقابلہ میں بناوٹی روایتوں کو کبھی نہ دیکھا جاتا اور صحیح حدیثوں

کی بآسانی توضیح ہو جاتی۔

چوں کہ ہم یہاں سب سے پہلے آپ کی ازواج پاک سے بحث کریں گے اسلئے ہمیں اول سے چلنا چاہئے اور وجہ بوجہ ہر نکاح کی حقیقت اور فطرت کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا ہے اور اُس کا کیا مفہوم ہے اور اُس میں صداقت کا مادہ کتنا ہے۔ حضورِ انور کے بچپن کا زمانہ جس راست بازی سے گزرا اُس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ۲۵۔ برس کی عمر تک آپ بن بیاہے رہے اور یہ پُر شباب زمانہ جس اتقا و پرہیزگاری سے بسر ہوا اُسے وہ بزرگ قوم اچھی طرح سمجھتے تھے جو بعد ازاں آپ پر ایمان لائے تھے۔ اگرچہ آپ اپنے چچا ابو طالب کے پاس رہتے تھے مگر وہ آپ کا ہاتھ تنگ نہ رکھتے تھے۔ تجارت کا تمام کاروبار آپ ہی کے سپرد کر رکھا تھا اور آپ جس دیانت داری سے اپنے فرائض کی انجام دہی کرتے تھے وہ ایسی مصدقہ ہے کہ اس میں کسی مخالف کو بھی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ ۲۵۔ برس کی عمر میں جوانی کا پورا بہار ہوتا ہے اور عرب کی ناپاک معاشرت اور نصرانیوں کی غلیظ رسم و رواج سے اگر ایسی عمر میں کوئی حصہ لیا جاتا تو وہ اُس خطہ میں نہ دشوار تھا نہ زیادہ نکتہ چینی کے قابل تھا۔ مگر نہیں روح القدس جو پیدا ہوتے ہی آپ کی ہمقرین رہی تھی ایسی ناجائز اور انسانی فضیلت پر داغ لگانے والی معاشرت کا آپ کی طبیعت میں کبھی خیال ہی نہ آنے دیتی تھی۔ جب آپ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا تجارتی سامان لے کے فروخت کرنے تشریف لے گئے ہیں تو آپ نے نصرانیوں اور یہودیوں کی شرمناک معاشرت کو دیکھ کے بہت ہی افسوس کیا تھا اور آپ انسان کی ارذل ترین حالت سے بہت ہی متاثر ہوئے تھے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا تھا کہ عصمت، حیا، راستبازی یہ تین صفتیں کس بیدردی سے کچلی جا رہی ہیں اور پرہیزگاری کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ہے۔ یہ نظارہ آپ کے لئے بہت دردناک تھا آپ کو چوں کہ خدا کی مخلوق سے دلی اُنس تھا اسلئے ایسے نظارے جو اخلاق تمدن اور معاشرت کے حق میں زہر ہوں آپ کو سخت صدمہ پہنچاتے تھے۔ غرض جب آپ انسان کی ارذل ترین حالت کا یہ نقشہ دیکھ کے واپس پھرے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ اُن ہی کی خواہش کے بموجب آپ کا نکاح ہو گیا تو آپ نے عزلت گزینی اختیار کی اور یہ عزلت گزینی اگر ظاہری معنی سے لیجائے تو یہ تھی کہ آپ خلق اللہ کی نکبت اور مصیبت کو کھونے کے لئے فکر فرمانے لگے اور آپ نے وہ صورتیں سوچیں جو آئندہ مخلوق کی سرسبزی کے لئے نیک فال ہوں اور بنی نوع انسان کی اُن سے پوری اصلاح متصور ہو اور اگر اس عزلت گزینی کے رازدارانہ معنی لئے جائیں تو اس سے یہ غرض تھی کہ آپ اپنی لوحِ قلب کو اُن ربانی نقوش کے لئے مصفا کر رہے تھے جو خدائے کائنات کی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے اس پر ہونے والے تھے اور ایسے گرامی مہمان کے لئے آپ اپنا حجرۂ قلب آراستہ کر رہے تھے۔ کسی مضمون پر فکر و غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور اُن کے حواسِ خمسہ کس حالت میں ہو جاتے ہیں نہ اُنہیں کسی کا خیال رہتا ہے اور نہ فکر اور نہ وہ سوائے اس مدعا کے جو اُن کے پیش نظر ہے کسی دوسری شے کا تصور ذہن میں لا سکتے ہیں ہمہ تن ایک شے کی طرف مصروفیت ہو جاتی ہے اور یہ مصروفیت ایسی ہوتی ہے کہ اسے اُن ہی کا دل جانتا ہے جنہوں نے غائر توجہ سے کسی مضمون کا کبھی خیال کیا ہو۔ انسان

طبیعت کا یہ خاصہ رکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنی توجہ چاروں طرف سے علیحدہ کر کے کسی خاص طرف پھیر لیتا ہے
اور اُس میں ایک زمانہ گزر جاتا ہے پھر اُس کی طبیعت ایسی عادی ہو جاتی ہے کہ دوسری طرف اُس کا خیال جاتا نہیں
رہتا اور وہ تمام عمر اسی کا ہو کے رہ جاتا ہے اور اپنے اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ سے کام
لیتا ہے اور جہاں تک اُس سے خود ممکن ہوتا ہے اور جس حد تک اُس کی تائید ایک پوشیدہ قوت کی طرف سے
ہوتی ہے وہ اپنی کوششوں کی کامیابی کی دھن میں لگا رہتا ہے اور جب تک اُسے تکمیل تک نہیں پہنچا لیتا اُسے ایک
حد تک صبر نہیں آتا۔ اور اخیر یہ مدعا اُس کا جزو زندگی ہو جاتا ہے اور اُسے دوسرے خیال کی طرف جانے کی
ضرورت نہیں رہتی اور اگر وہ چاہے بھی تو دوسری طرف اپنی طبیعت رجوع نہیں کر سکتا۔

ہر شخص اس رجحان قلبی کا خود اپنی ذات پر تجربہ کر کے دیکھ سکتا ہے اگر ابتداءً ایک شخص اپنے کو خاصہ صحیح
و تندرست ہونے پر دیوان بننے میں ڈال دے اور مجنونانہ حرکتیں کرنے لگے تو ابتداً یہ حرکتیں ارادی ہونگی
لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا ان میں فطرت انسانی کی آمیزش ہو جائے گی اور اخیر ہوتے ہوتے یہاں تک
نوبت پہنچے گی کہ وہ مجنونانہ حرکتیں طبعی ہو جائیں گی اور پھر وہ اپنی پوری قوت سے بھی اُن کا دفعیہ نہ کر سکے گا۔ یہ
ایسی بدیہی باتیں ہیں جن کے لئے کسی قسم کے استدلال کی ضرورت نہیں ہے یہ شب و روز مشاہدہ میں آتی ہیں اور
جنہوں نے انسانی طبیعت کے اُتار چڑھاؤ پر غور کیا ہے وہ اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی عاقل یا
بالغ شخص ایسے صریح مشاہدوں اور بدیہیات سے انکار کر سکے۔ یہ طبیعت کی قوت کا ایک ادنےٰ نمونہ ہی مگر جن مبارک
انفاس نے اپنے قلب کو ربانی غوامض اور فطرت کے رازوں کی طرف رجوع کیا ہو اور ہمہ تن خلق اللہ کی بہتری
کے لئے متوجہ ہو گئے ہوں وہ قیامت تک اپنی طبیعت کو اگر ارادہ بھی کریں انسانی ارذل ترین حالت کی طرف
رجوع نہیں کر سکتے۔ اب خیال کرنے اور انصاف سے غور کرنے کی بات ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ
علیہ وسلم ۲۵ برس کی عمر سے کہ اس وقت تمام جسمانی قوتیں بہت ہی اُبھار پر ہوتی ہیں ایک غار میں اس طرح عزلت گزین
ہوئے کہ کسی کو یہ خبر نہ ہوئی کہ آپ وہاں کیا کرتے ہیں اور کامل ۱۵ سال آپ نے کیوں کر گزارے تو پھر کب خیال
ہو سکتا ہے کہ ایک کام کے فکر میں پندرہ سال گزر گئے ہوں پھر دوسری طرف طبیعت کا رجحان کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔
آپ مہینوں شب کو نہیں سوئے ہیں اور وحی نازل ہونے سے پہلے کسی نے بھی آپ کے ان پندرہ سال کے حالات
سے شمہ برابر بھی علم نہیں حاصل کیا۔ آپ اُس غار میں بیٹھ کے ضرور فطرت کی کتاب کا مطالعہ فرماتے ہوں گے اور آپ
اپنی روحانی قوت کو ایسا قوی بناتے ہوں گے کہ تمام دنیا کی متحدہ قوت آپ کے ارادوں میں خامی نہ پیدا کر سکے آپ
ابتداء ہی سے روشن ضمیر پیدا ہوئے تھے اور چونکہ روح القدس گہوارہ ہی سے آپ کی ہمقرین رہی تھی اسلئے
آپ کو اپنے عالی فرض کی انجام دہی میں جن جن مصائب کا پیش آنا ضرور تھا پہلے ہی سامنے آگیا ہو گا اور آپ بخوبی
جانتے ہوں گے کہ زمانہ کے رنگ کو بدل دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دنیا میں عام مقولہ یہ چلا آتا ہے کہ زمانہ
با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز لیکن یہاں بالکل اُس کے خلاف کرنا تھا اور لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے دلوں کو نئی

شمی میں لیتا تھا۔ ان زبردست مذاہب سے مقابلہ کرنا تھا جن کی قوی سلطنتیں بھی موجود تھیں اور اپنے ہی چرواہوں کی آتشیں طبیعت کا بھی پورا لحاظ تھا اپنی بے سروسامانی کا بھی خیال آتا تھا اور اپنی بے بسی کا افسردہ نظارہ آنکھوں کے آگے گردش کرتا رہتا تھا۔ یہ سارے ایسے زبردست خیالات تھے جو پے در پے طبیعت میں آرہے تھے اور کامل پندرہ سال تک ان ہی کی اُدھیڑبن میں گزر گئی تھی۔

اس کشمکش نے آخر چالیسویں سال اطمینان کا رنگ بدلا اور طبیعت نے خاص ایک صورت اختیار کرلی اور فیصلہ کر دیا کہ ہر سخت سے سخت مخالفت کے برداشت کرنے کے لئے بالکل آمادہ ہوں بسم اللہ کر اور قدم اٹھا۔ گویا پندرہ سال کے بعد طبیعت نے جو آخری زبردست رنگ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تو عالم کی رحمت بنا کے بھیجا گیا ہے اور تو ہی دنیا کو موجودہ کرب و بلا سے نجات دے گا اور تو ہی توحید خدا کی منادی کر کے کروڑوں نفوس کو مرحضا کرے گا تو اس قابل ہے کہ خدا کا پیغام تیرے پاس آئے اور روح القدس تجھ سے باتیں کرے۔ جب تمام خیالات مضبوط ہو گئے اور طبیعت نے فیصلہ سنا دیا تو فوراً اس کا ظہور ہوا اور روح القدس مجسم بن کے اس معصوم نبی کے سامنے آ گئی اور اس نے فطرت کی پوری کتاب اس کے آگے کھول کے کہا کہ پڑھ یعنی اس پر عمل کر۔ اور دیکھ کہ ہم نے انسان کو ایک گوشت کے ٹکڑے سے بنایا ہے اگرچہ اس کی کچھ ہستی نہیں ہے لیکن ہم محض اپنے فضل سے اسی برکت دیتے ہیں اور ہم ہی نے اسے قلم کا استعمال سکھایا ہے اور وہ اس پر بھی ناسپاس بنتا اور سرکشی کرتا ہے اس ارشاد میں بہت بڑا فطرت کا راز مضمر ہے اور اسے ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں جب تک روح القدس کی تائید نہ ہو اس کے معنی یہ ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں اور جہاں تک ہم نے تفسیریں دیکھی ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ کم مفسر اس گہرائی میں پہنچے ہیں۔ حضور انور نے جب تمام دنیا کی اصلاح کا ارادہ کیا ہو گا اور پھر اپنی بے بسی کا بحیثیت انسان ہونے کے خیال فرمایا ہو گا تو ضرور اپنی بے بضاعتی اور کمزوری کو پیش نظر رکھ کے اتنے عظیم فرض کی کامل طور پر انجام دہی سے دل ہچکچایا ہو گا کہ مجھ جیسے ناچیز بندے سے یہ کیوں کر ہو سکے گا ایسا خیال بمقتضائے قانون قدرت آپکے دل پر ضرور آنا چاہئے تھا ادھر یہ خیال آیا ادھر خدائے کائنات نے روح القدس کے ذریعہ سے باتیں کیں اور سمجھایا کہ تو فطرت کی کتاب کو جو ہم نے تیری آنکھوں کے آگے کھول دی ہے پڑھ اور دیکھ کہ اگرچہ ہم نے انسان کو ایک گوشت کے ٹکڑے سے پیدا کیا ہے لیکن ہم ہی نے اُسے برکت دی ہے اور ہم ہی نے اسے قلم کا استعمال سکھایا ہے چونکہ یہ ساری باتیں ہمارے ہی دست قدرت میں ہیں کہ اپنی ناچیز مخلوق کو اگر چاہیں تو آسمان پر پہنچا دیں تو مایوس نہ ہو اور ہمارے نام سے اس فطرت کی کتاب کو پڑھ یعنی جو تو کام کرنا چاہتا ہے ہمارا نام لے کے کر پھر انسانی فطرت کی وہ کمزوری جو بحیثیت گوشت کے ٹکڑے ہونے کے اُس میں ودیعت ہوئی ہے تیرے اہم فرائض کی انجام دہی میں مانع نہیں آسکے گی اور تو اپنی مرادوں میں کامیاب ہو جائے گا۔ اپنے رب کا نام لے کے پڑھ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ تو اپنے رب پر نظر رکھ وہ تجھے ہر کام میں مدد دے گا اور اس کی تائید تیری شامل حال رہے گی۔ جب قدرت کی طرف سے یہ فرمان آگیا اور طبیعت نے قبول کر لیا تو وہ جھجک جو پہلے

بحیثیت کمزور انسان ہونے کے دل میں آئی تھی بالکل جاتی رہی اور حضور انور نے اپنے خالق کا ہاتھ اپنے ساتھ کام کرتا ہوا ملاحظہ فرما کے زمانہ کے مقابلہ میں بہت آزادی، جرأت اور اولوالعزمی سے توحید کا وعظ فرمانا شروع کیا۔ اس لکھنے سے اور فطرت انسانی کے اتار چڑھاؤ کو دکھانے سے ہماری یہ غرض ہے کہ جس پاک نفس کا جزو زندگی خلق اللہ کی تعلیم اور اصلاح بن گیا ہو جس نے ہمہ تن خلق اللہ کی بہتری کے لئے اپنے کو مصروف کر دیا ہو جس نے پندرہ سال مجاہدوں اور مراقبوں کے بعد اپنے کو ایک نئی زندگی میں پایا ہو جس کے جوش کی انتہا ہو گئی ہو یعنی سخت سے سخت مخالفتوں کے بعد بھی وہ اپنے کام سے باز نہ آیا ہو اس کی نسبت کیوں کر یہ الزام صحیح ہو سکتا ہے کہ اس نے پچاس سال کی عمر تک تو ایک حالت میں گزاری اور پھر اپنی طبیعت کو بدل دیا اور لذائذ نفسانیہ کی طرف (معاذ اللہ) اس نے اپنا خیال رجوع کیا۔ یہ تو طبع انسانی کے بھی خلاف ہے اور حاذق اطباء اس کی پوری تصدیق کریں گے کہ انسانی فطرت سے ایسا امر کس درجہ مستبعد ہے جب تک حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا اور فی الحقیقت کسی دوسرے نکاح کرنے کی ضرورت بھی داعی نہیں ہوئی تھی۔ اگر آپ کو ضرورت ہوتی اور آپ کوئی دوسرا نکاح کرتے تو قومی تمدن کے بموجب آپ پر کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتا تھا۔ نہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ معترض ہوتیں۔ کیوں کہ اس ملک کی یہی رسم تھی کہ کئی کئی شادیاں کرتے تھے اور بی بیاں بغیر کسی حسد اور دشمنی کے ساتھ ساتھ ملکے رہتیں اور باہم کسی قسم کی کوئی بات مخالفت کی نہ ہوتی تھی۔ ہم اپنے خیال میں چاہے یہ سمجھ جائیں کہ ایسی چند عورتیں جو ایک ہی شخص کی بی بیاں ہوں کبھی باتفاق نہیں رہ سکتیں لیکن یہ ہمارا نرا خیال ہی خیال ہے واقعات سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے جس امر کی طبیعت اول روز سے عادی ہو جاتی ہے وہ خواہ مخواہ مستحسن ہی معلوم ہوتا ہے اگرچہ غیر لوگ اس پر کچھ ہی نکتہ چینی کیوں نہ کریں۔ ڈاکٹر موسیو لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں اپنے چشم دید حالات عربوں اور ان کی بیبیوں کے درج کئے ہیں اور وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے ایک عرب کی کئی کئی بیبیاں دیکھیں جو باہم سگی بہنوں سے زیادہ محبت رکھتی تھیں اور ایک دوسری پر جاں فدا کرتی تھیں وہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی مثال عرب میں ایسی بیبیوں کی نہیں دیکھی جو باہم دشمن ہوں یا ایک دوسری سے حسد کرتی ہوں ساتھ ہی وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جب عورت دو تین بچے ہونے سے کمزور ہو جاتی ہے اور گھر بار کا کام اس سے نہیں سنبھل سکتا تو وہ خود اپنے خاوند سے درخواست کر کے دوسرا نکاح کراتی ہے اور بعض اوقات تو یہ دیکھا گیا ہے کہ اپنے خاوند کے دوسرے نکاح کی سربراہی وہ بہت شوق سے خود کرتی ہے۔ موسیو لیبان کی اس تحریر سے عرب عورتوں کی فطرت اور معاشرت خیالات اور محسوسات کا پورا علم ہوتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی فطرت ابتدا ہی سے اس امر کی عادی چلی آئی ہے کہ وہ کئی کئی مل کے ایک شخص کی بیبیاں بنیں اور خوش ہوں۔ اسی طرح اگر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی حیات ہی میں دوسرا نکاح کر لیتے تو نہ احسان فراموشی ہوتی اور نہ خدیجۃ الکبریٰ برا مانتیں مگر نہیں آپ اپنے جس عظیم فرض کی انجام دہی فرما رہے تھے اس میں دنیا کی باتوں کا خیال آنا ایک مستبعد

امر تھا اور فطرت ہرگز ایسے فعل کو جائز نہیں کر سکتی تھی۔ یہ محض تہمتیں اور الزام ہیں کہ آپ نے اپنی بی بی سے عہد و پیمان کر لیا تھا اور چونکہ اپنی بی بی کی وجہ سے آپ فارغ البال ہو گئے تھے اور آپ کو گونا ثروت حاصل ہو گئی تھی اسلئے آپ دوسرا نکاح کرتے ہوئے رکتے تھے۔ ان میں سے ایک بات بھی نہ تھی۔ ابتدا سے ایسے معاملات کی طرف توجہ کرنے کا خیال ہی آپ کو نہ تھا اور اصل یہ ہے کہ آپ ایسے خیال کرنے کے عادی بھی نہ تھے۔

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ اور حضور انور کے نکاح کی اور ذرا تفصیل کے ساتھ کیفیت بیان کی جائے تاکہ اصلی واقعہ سمجھ میں آ جائے کیوں کہ میں نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر اُم المومنین کا مختصر سا تذکرہ کروں اور بتاؤں کہ نکاح کی اصلیت کیا تھی اور کیوں کر آپ نے نکاح کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ خویلد کی صاحبزادی تھیں۔ اور قریشی خواتین میں اپنی دولت۔ ثروت۔ جمال اور علم و فضل میں بڑی ناموری تھیں۔ یہ اکثر تجارت کیا کرتی تھیں اور اسی تجارت کی وجہ سے آپ کو ترقی بھی ہوئی تھی۔ دستور یہ تھا کہ عربوں کو مال دے کے مختلف بلاد میں بھیجا کرتی تھیں اور ان سے نصف پر معاملہ ٹھیر جاتا تھا کہ جو کچھ نفع ہو نصف فروخت کرنے والے کا اور نصف بی بی خدیجہ کا۔ اتفاق سے حضرت ابو طالب کی تجارت میں ٹوٹا آیا اور کثیر الاولادی کی وجہ سے اپنے کنبہ کی پرورش کے متحمل نہو سکے اسلئے حضور انور سے بلا کے کہا کہ میری تو یہ کیفیت ہے جو تم دیکھ رہے ہو میں تمہیں صلاح دیتا ہوں کہ تم بی بی خدیجہ کے پاس جاؤ اور اُن سے مال کی درخواست کرو وہ تمہاری دیانت۔ راستبازی اور ہوشیاری سے قطعی تمہیں مال دیدیں گی تم اسی قاعدہ شرکت مضاربہ پر مال لے لینا اور نصف نفع بی بی موصوف کو دیدینا اور نصف تمہارے ہاتھ لگ جائے گا۔ اس صورت سے کچھ فلاح ہو جائیگی۔ اور مجھ پر سے بھی کنبہ کا بار ہلکا ہوگا۔ حضور انور نے جواب دیا کہ میں پیشقدمی نہیں کرنا چاہتا نہ جا کے درخواست کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت ابو طالب نے کہا اگر تم اس میں کچھ قیل و قال کروگے اور تساہل کروگے تو اور لوگ لے اڑیں گے آپ نے سوائے خاموشی کے اور کچھ جواب نہ دیا اتفاق سے یہ خبر بی بی خدیجہ کو پہنچ گئی بی بی موصوف نے اپنے ایک خاص خادم کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلا بھیجا میں نے سنا ہے تجھے تجارت کی رغبت ہے اگر تو راضی ہو اور میرا مال تجارت لے جائے تو میں تجھے دوسروں سے دگنا حصہ دوں گی کیوں کہ تیری راستبازی اور دیانت داری کی میں نے بہت شہرت سنی ہے۔ یہ سن کے حضور انور نے اپنے چچا ابو طالب سے بی بی خدیجہ کے پیغام کی کیفیت بیان کی۔ ابو طالب سنتے ہی خوش ہو گئے اور بیساختہ کہہ اٹھے هذا الرزق ساقہ اللہ الیک یعنی یہ وہ رزق ہے جو خدائے تعالیٰ نے تجھے مرحمت فرمایا ہے آخر حضرت ابو طالب کی مرضی کے مطابق آپ نے اپنی رضامندی بی بی خدیجہ سے کہلا بھیجی اور سفر کا تہیہ کیا۔ بی بی خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کی خدمت میں دیا یا بعض دوسری روایت کے بموجب اپنے ایک رشتہ دار خزیمہ بن

حلیم کو آپ کے ساتھ کیا اور آپ مال تجارت لے کے حدود مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ایک کاروان کے ہمراہ نسطور یا قسطورا راہب کے صومعہ کے پاس فروکش ہوئے بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں سے آپ نے کیوں کر گفتگو کی اور بتوں سے کس قدر اپنی حقارت ظاہر فرمائی مگر ان روایتوں کا یہاں بیان کرنا ضروری نہیں ہے صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے کہ آپ نے بڑی تندہی سے بی بی خدیجہ کے مال کو فروخت کیا اور کثیر نفع حاصل کر کے آپ واپس مکہ تشریف لائے اور کوڑی کوڑی کا حساب سمجھا دیا۔ بی بی خدیجہ حضور انور کی یہ ہوشیاری اور دیانت داری دیکھ کے دنگ رہ گئیں اور آپ کی اس بے نظیر کامیابی اور ساتھ ہی عجیب و غریب راستبازی کا اثر آپ کے دل پر بہت ہوا۔ ادھر اپنے غلام یا رشتہ دار سے آپ کی نیکبختی محنت اور روشن ضمیری کا حال سنکے بیخود ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر کوئی دیانت دار سرپرست مل سکتا ہے تو محمد سے بہتر ملنا ممکن نہیں۔ بڑے بڑے عرب رئیس بی بی خدیجہ سے نکاح کرنے کے خواہشمند تھے مگر آپ اپنی شوہری میں کسی کو منظور نہ کرتی تھیں۔ اخیر آپ نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر نکاح کروں گی تو محمد ہی سے کروں گی۔ اس مستقل ارادہ کے بعد آپ نے اپنی ایک رازدار خاتون سے جسکا نام نفیسہ تھا اپنا دلی منشا ظاہر کیا۔ نفیسہ جس قدر خوبصورت تھی اسی قدر عقلمند بھی تھی اس نے بی بی خدیجہ کے اس انتخاب کو پسند کیا اور کہا کہ میں محمد کے پاس جا کے اس کا دل لیتی ہوں اور اس کی مرضی تلاش کرتی ہوں چنانچہ وہ عورت خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور معقول تمہید کے بعد اس نے یہ ساری کیفیت بیان کی اور بی بی خدیجہ کی خواہش کا اظہار کیا آپ راضی ہو گئے۔ اس نے بی بی خدیجہ کو یہ خوشخبری سنا دی کہ محمد تجھ سے نکاح کرنے پر راضی ہیں۔ بی بی خدیجہ یہ سن کے بہت خوش ہوئیں اور ایک دن مقرر کر کے حضور انور کو ایک مکان میں بلایا آپ کے ساتھ حضرت ابو طالب اور چند اور لوگ تھے اور بی بی خدیجہ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد اور ایک رشتہ دار ورقہ ابن نوفل اس مکان میں آئے۔ حضرت ابو طالب نے پہلے خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ تھا خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ابراہیم اور اسمعیل کا فرزند بنایا اور ہمیں اپنے گھر اور حرم کا محافظ کیا اور اس گھر کو جو مطاف اور خلق اللہ کا قبلہ ہے ہمیں سونپ دیا۔

اما بعد میرا بھتیجہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب جو ایسا نوجوان صالح ہے کہ کوئی قریش نوجوان اسے نہیں پہنچتا اگرچہ اس کے پاس مال کم ہے مگر اس کا خیال نہ کرنا چاہیے کیوں کہ مال شرافت کے آگے کوئی چیز نہیں ہے اور وہ اشرف بزرگان قریش میں سے ہے اور محمد کون ہے جسکا رشتہ میرے ساتھ ہے اور اب وہ خدیجہ کی خواستگاری بنت خویلد ۔۔۔ مایہ شتر مہر پر جو میرے ملک ہے کرتا ہے اور اس سے مہر معجل اور موجل دونوں کی تصدیق ہوتی ہے خدا کی قسم محمد کو ایک امر عظیم اور بزرگ مرتبہ درپیش ہے یہ کہکے حضرت ابو طالب خاموش ہوئے اور پھر ورقہ نے اپنا خطبہ شروع کیا اور خدا کی حمد و ستایش کے بعد وہ یہ کہنے لگا کہ اب میں خدیجہ کو چار سو مثقال طلائی کے مہر پر محمد کی زوجیت میں دیتا ہوں حضرت ابو طالب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ کا چچا عمرو بن اسد بھی تیرے ساتھ خطبہ میں شریک ہو جائے۔ چنانچہ ورقہ نے عمرو بن اسد کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور اس

صورت سے گویا آپ کا نکاح ہوگیا اب یہاں کسیقدر روایتوں میں اختلاف ہے حضرت ابوطالب کے خطبہ سے تو بیس مایہ شتر پائے جاتے ہیں اور ورقہ ابن نوفل کے خطبہ سے چار سو مثقال طلائی کا ثبوت ہوتا ہے بہر حال کچھ ہو اسی کے بین بین مہر بندھا۔ حضرت بی بی خدیجہ کے والد زندہ نہ تھے اس لیے چچا نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔

یہ ہیں مختصر حالات حضور انور کے پہلے نکاح کے جب نکاح ہوا ہے تو آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور حضرت بی بی خدیجہ کی ۴۰ سال کی۔ اس نکاح کی فطرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نکاح کی بابت اشارہ بھی نہ کیا تھا مگر جب ادھر سے درخواست ہوئی تو آپ نے منظور کرلیا اور اس منظور کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو ایک بڑے فرض کی انجام دہی کرنی تھی اور وہ بغیر فارغ بالی اور معاش سے بے نیاز ہوئے پورا نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ آپ نے نکاح کرلیا اور اب آپ کو گھنٹوں بلکہ مہینوں گزر گئے صرف اس کام کی انجام دہی کے فکر میں جسکے پورا کرنے کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اور آپ کو خاص جس غرض سے عالم کی رحمت بناکے بھیجا گیا تھا۔ اس نکاح کی اصلی غایت زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے یعنی آپ نے نکاح تو کرلیا مگر کیوں کیا اور اس کی غایت کیا تھی اسلئے کیا کہ جو کام آپ کرنا چاہتے تھے وہ اطمینان سے ہوگا اور چونکہ اسوقت کوئی بہتر ذریعہ اطمینان قلب کے ساتھ خدائے کائنات کے آگے گھنٹوں بلکہ دنوں سربسجود ہونے کا نہیں ملسکتا تھا اسلئے آپ اس نکاح پر راضی ہوئے دیکھ لو اس نکاح میں بھی وہی دھن لگی رہی اور کسی دوسری طرف مطلق خیال نہیں گیا کیونکہ نکاح ہوتے ہی آپ نے عزلت گزینی اختیار کی اور کامل پندرہ سال اسی تنہائی میں گزار دیئے۔ اے سرور کائنات یہ تیری ہی بزرگی ہے کہ تو ظاہر تمام دنیاوی امور میں بحیثیت انسان ہونے کے مشغول دکھائی دیتا ہے مگر پھر سب سے الگ ہے اور تو اپنے مبعوث ہونے کی غایت دنیاوی اسباب کے ذریعہ سے پوری کرتا ہے عالم کی رحمت ہونا تجھی کو شایاں ہے۔

اے کہ تاج فرستادگاں ✦ تاج دہ گوہر آزادگان
مہر شد ایں نامہ بعنوان تو ✦ ختم شد ایں خطبہ بدوران تو

آپ کے ساتھ غار میں کبھی کبھی حضرت بی بی خدیجہ بھی جاکے بیٹھا کرتیں اور خدائے واحد کی عبادت کیا کرتیں۔ آپ نے باوجود ان عظیم مشاغل کے اپنی بی بی کے ساتھ حسن الفت اور محبت کا برتاؤ کیا وہ مشہور زمانہ ہے۔ روحانی فضائل کی تکمیل کے ساتھ آپ دنیاوی فرائض کی نگہداشت کرتے جاتے تھے آپکی چند اولادیں ان بی بی سے ہوئیں اور ان کے نام یہ ہیں زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ اور فاطمہ زہرا۔ دو تین لڑکے بھی ہوئے لیکن ان سب نے صغر سنی میں وفات پائی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

آپ کے والد کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمر سے ہوا تھا اور اس سے ایک لڑکا عبدالرحمن پیدا ہوا حضرت سودہ اور ان کا لڑکا عبدالرحمن دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب آپ اور آپ کا خاوند اور آپ کا بیٹا مسلمان ہو گیا تو مشرکین عرب نے آپ پر زیادتیاں کرنی اور آپ کو ستانا شروع کیا اور اخیر یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ حبش چلی گئیں آپ کا خاوند صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا قتل کر دیا گیا تھا جب بی بی سودہ حبش سے واپس آئیں تو ان کی حالت بہت ہی خراب تھی ان پر بڑے بڑے مظالم ہو چکے تھے اور اب انہیں کوئی پناہ دینے والا بھی نہ رہا تھا۔ روایتوں سے اگرچہ اسبات کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ کی عمر کتنی تھی لیکن اندازہ اور ٹھیک اندازہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر میں آنحضرت سے بڑی تھیں حضور انور کی عمر جب بی بی سودہ سے نکاح کیا ہے پوری پچاس برس کی تھی اور بعد از وفات سرور کائنات سنہ ۲۳ ہجری میں بی بی سودہ کی وفات ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر ۵۰ سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی نسبت بہت سی مختلف روایتیں مشہور ہیں اور بعض غلط روایتوں کی وجہ سے عام طور پر بہت کچھ دھوکا ہوا ہے مگر ہم اسے بالکل روشنی میں لانا چاہتے ہیں اور انشاء اللہ ہم اس نکاح پر ایک بسیط بحث کریں گے۔ اول تو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ حضرت بی بی سودہ سے نکاح کرنے کی آنحضرت کو ضرورت ہی کیا تھی جب آپ قریش کی اعلٰے وجہ کی لڑکیوں سے بلا تکلف نکاح کر سکتے تھے پچاس سال کی آپ کی عمر ہو چکی تھی اور بی بی سودہ کی بھی اتنی عمر تھی یا آپ سے دو ایک برس کچھ بڑی تھیں۔ اگر معاذ اللہ یہ نکاح لذائذ نفسانیہ کے لئے ہوا تھا تو ایسا خیال کرنا محض بے بنیاد ہے اور نرا تعصب ہے۔ نہ آپ نے دولت دیکھ کے یہ نکاح کیا تھا کیوں کہ بی بی سودہ آپ مفلس اور ستم رسیدہ تھیں۔ نکاح کرنے کی کوئی نہ کوئی غایت ضرور ہوگی۔ اور کوشش کرنے سے اس کا پتہ لگ جائیگا۔

حضور انور کا ابتدا سے یہ قاعدہ تھا کہ آپ دوسروں کا کام خود کر دیتے تھے مگر آپ کو کسی کا احسان لینا گوارا نہ تھا حضرت انس کی روایت ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ دس برس میں میں نے رسول مقبول کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی آپ نے میری کی آپ کی عادت میں داخل تھا کہ ہر شخص کے کام میں لگ جانا اور غربا و مساکین کی حتے الامکان سرپرستی کرنا آپ نے اپنی اس رحیم فطرت سے بی بی سودہ پر نظر کی اور خیال فرمایا کہ اس نے عورت ہو کے صرف میرے لئے کتنی کتنی سختیاں سہیں۔ گھر سے بے گھر ہوئی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ جو کچھ اور جتنی تھی صرف میری وجہ سے برباد ہوئی اس کا خاوند صرف قبول اسلام کی وجہ سے بہت ہی بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا اور اب یہ محض بے سر و سامان اور پریشان ہو کے میرے پاس آئی ہے ایسی حالت

میں بھی ہیں اُسے اپنا ہاتھ نہ دوں تو نبوت کے عالی منشار کے خلاف ہے۔ یہ خیال تھا جو حضور انور کے مبارک
دل میں پیدا ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے صرف اس لئے کہ سودا کے تمام نقصانات اور تکالیف کا اچھا
معاوضہ ہو جائے گا بخوشی نکاح کر لیا۔ اور خاتم النبین جیسے رحم مجسم کے لئے ایسے نکاح کی ضرورت بھی تھی۔
آپ کا بحیثیت نبی اور وہ بھی جلیل القدر نبی ہونے کے فرض تھا کہ آپ ایسی بے بس۔ ناچار اور مصیبت زدہ
خاتون کی سرپرستی فرمائیں جس نے محض خلوص سے اپنی گزشتہ بداعمالیوں اور بت پرستی سے تائب ہو کے دین
خدا اختیار کیا اور حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی اور پھر محض اسلام کے لئے اُس نے تکلیفیں اُٹھائیں
جلا وطن ہوئی اور عورت ہو کے اسلام سے اُس کا قدم نہیں ڈگمگایا۔ عاقبت میں تو جو کچھ اس کا معاوضہ ملتا
وہ تو ملتا ہی لیکن زندگی میں بھی ایسی شجاع اور نیک دل خاتون کو ضرور صلہ ملنا چاہئے تھا اور وہ صلہ ایسا ہو تا کہ
اُس سے قیمتی صلہ دنیا میں اور ممکن نہ تھا یعنی وہ خاتم النبیین کی بی بی بنتی اور اُم المؤمنین کا معزز لقب پاتی۔ اس
سے بہتر کوئی صلہ نہیں دے سکتے تھے کیوں کہ جو کچھ بے نظیر مردانگی اسلام پر قایم رہنے کی اس خاتون نے
دکھائی تھی وہ عجیب و غریب بھی ہے اور اسی مرتبہ کے صلہ کی مستحق بناتی ہے جو حضور انور کی طرف سے اُسے
عطا ہوا۔

اگر حضور انور اپنی زوجیت میں بی بی سودا کو قبول نہ فرماتے تو اُن کی عمر اور بے سر و سامانی اس قدر
بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ہاتھ نہیں رکھتا اسلئے اول تو وہ پریشانی کا زمانہ تھا مشرکین قریش کے پے در پے حملے
ہو رہے تھے اور مسلمان برابر ستائے جا رہے تھے۔ ابھی مسلمانوں کو کچھ قوت اور اطمینان بھی حاصل نہ ہوا
تھا اور نہ کوئی مستقل جائے قیام کسی مسلمان کی ہوئی تھی یہ وقت مسلمانوں کی سخت آزمایش کا تھا اور اسی وجہ سے
خود نبی کریم کو بھی نکاح کرنے کا خیال نہ تھا اور نہ ابھی تک کوئی فطری ضرورت داعی ہوئی تھی مگر اس حالت میں
بھی اور اس رستخیز زمانہ میں بھی آپ نے بحیثیت نبی ہونے کے اپنا فرض سمجھا کہ سودا جیسی مجروح القلب۔ بے بس
اور ثابت قدم خاتون کو اپنی زوجیت میں لیں تا کہ اُس کی پورے طور پر سرپرستی ہو اور مسلمانوں میں ایسی بے پناہ
مستورات کی معاونت کرنے کی ایک زبردست نظیر قایم ہو جائے۔ آپ نے بی بی سودا سے نکاح کر کے نفس
نکاح کی ایک غایت بتا دی اور ظاہر فرما دیا کہ نکاح کی اصلی غرض مستورات کی سرپرستی ہے۔ اور سب سے بڑی بات
جو اس نکاح سے پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی حمایت کرنے کی روح پھونک جائے اور وہ
مثل دوسری قوموں کے عورتوں کو لاشئے محض نہ سمجھیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عرب میں ہی نہیں بلکہ دنیا
کی کل قوموں میں عورت مثل اثاث البیت کے سمجھی جاتی تھی اور دنیا کی بڑی بڑی متمدن اقوام نے کبھی عورتوں کے
حقوق کی نگہداشت نہیں کی اور نہ اُن کی خدمات کا کبھی اُن کو صلہ دیا گیا انسانی تمدن میں اُن کی کوئی وقعت
نہیں تھی اور اُنہیں مثل چارپایوں کے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اب وہ تمام ایک زمانہ گزر گیا تھا اور عورتوں کی تعظیم اور
تکریم ہونے لگی تھی۔ بی بی سودا نہ تو امیر زادی تھیں نہ کچھ ایسی عالی خاندان تھیں اس پر بھی اُنھیں وہ رتبہ

حاصل ہو گیا تھا کہ وہ بڑے بڑے قریش سرداروں کی اور آخیر میں بڑے بڑے قہار سلاطین کی ماں کہلائیں گیا اس سے زیادہ کسی قوم یا کسی مذہب نے عورتوں کو عزت دی اور آجتک کسی ملک میں بھی عورتوں کو بقدر آسمان پر چڑھا یا گیا؟ موجودہ قومیں اس سوال کا جواب خواہ کسی صورت سے دیں لیکن مختلف قوموں کی مذہبی کتابیں اور تواریخ اس کا جواب صاف دیتی ہیں۔

سمجھ میں آگئی ہوگی کہ بی بی سودہ سے نکاح کرنے کی کیا غایت اور غرض تھی اور وہ اسے کس حد تک پورا کیا گیا۔ بی بی سودہ کی نسبت بہت سی جھوٹی روایتیں مشہور ہیں اور وہ ایسی لغو ہیں کہ عقل کبھی انہیں تسلیم نہیں کر سکتی پہلی روایت تو ایک یہ مشہور ہے کہ جب اُن کے پہلے خاوند مریض ہوئے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور انور نے میری گردن پر پیر رکھ دیا آنکھ کھلی تو اپنے مریض خاوند سے یہ خواب بیان کیا اُس نے یہ تعبیر دی کہ میرے بعد تو دوسرا نکاح کرے گی یہ خواب اور اس کی تعبیر عجیب و غریب ہے۔ عرب میں عام دستور تھا کہ بیوہ عورت فوراً نکاح کر لیتی تھی اور ایک دن بھی خالی نہ رہتی تھی یہ ایک عام رواج تھا اور چونکہ رسم و رواج آگے چل کر قانون بن جاتا ہے اسلئے یہ ایک قانون ہو گیا تھا جسے بعد ازاں اسلام نے اور بھی مضبوط کر دیا۔ بی بی سودہ کے شوہر کا یہ تعبیر دینا بھی عبث تھا جب کہ اُسے اپنے ملکی قانون کی پوری خبر تھی اور ساتھ ہی گردن پر پیر رکھنے کی تعبیر نکاح ثانی کسیطرح بھی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب اور اس کی تعبیر اور بی بی سودہ کے خاوند کا مریض ہو کے مرجانا ہی غلط ہے جب کہ وہ بالکل صحت کی حالت میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں شہید ہوا تھا۔ دوسرا سب سے زیادہ سنگین اعتراض یہ ہے کہ جب بی بی سودہ ضعیف ہو گئیں تو آنحضرت نے انہیں طلاق دینی چاہی وہ یہ خبر سن کے یا یہ خیال کر کے کہ پیغمبر خدا طلاق دینی چاہتے ہیں سخت پریشان ہوئیں اور انہوں نے ایک دن رسول کریم سے کہا کہ میں اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ صدیقہ کو دیتی ہوں اے نبی اللہ تم مجھے طلاق نہ دو چنانچہ آنحضرت نے یہ منظور فرمایا اور انہیں طلاق نہ دی بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت بی بی سودہ کے دل میں یہ خیال گزرا تھا مبادا آنحضرت بسبب ضعیفی کے مجھے طلاق دیدیں آپ نے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کی خدمت میں اسصورت سے کیا تھا۔ یہ ساری باتیں محض لغو اور بے بنیاد ہیں جس نبی نے محض سرپرستی اور رحمدلی فرما کے آپ کو اُس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب آپ جوانی کی عمر کاٹ چکی تھیں پھر کب سمجھ میں آسکتا ہے کہ چند ہی روز کے بعد آپ نے آنکھیں پھیر لی ہوں اور ایسی بے پناہ بی بی کو طلاق دیکے نکالنے کا ارادہ کیا ہو جس شخص کی ایسی طبیعت ہو ہر گز اس کی نصائح کا اثر نہیں ہو سکتا اور ممکن نہیں کہ کبھی کسی کے دل پر اُس کی باتیں کوئی نیک خیال پیدا کر سکیں اس قسم کی روایتیں اگرچہ بعض کتب اسلامی میں دیکھی گئی ہیں مگر انہیں قرآن کے مقابلہ میں صحیح سمجھنا اور ان ہی پر تکیہ کر کے بیٹھ رہنا تحقیق اور انصاف کے خلاف ہے۔ اسلامی کتب میں ہزارہا اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ اگر اُن کا انتخاب کیا جاسکے اور صرف اُن ہی کو پیش کیا جائے تو کبھی اُن سے اُس اسلام کا مفہوم نہیں ہوتا

جو قرآن پیش کرتا ہے یا اسلام کی بے نظیر کامیابی جس کی شہادت دیتی ہے۔ ایک عیسائی مصنف اپنی تائید میں روضۃ الاحباب کو پیش کرتا ہے دوسرا الواقدی کو تیسرا ابو الفدا کو اور چوتھا طبری کو پانچواں ابن ہشام کو۔ یہ صحیح ہے کہ یہ اسلام کی تاریخیں ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہیں لیکن جمہور کا اتفاق ان کے لکھنے والے مصنفین کی معصومیت پر نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے انہیں کوئی سند صداقت کی ملی ہے نہ ان کتابوں کو اسلام سے کچھ تعلق ہی کیونکہ یہ کتابیں اشاعت اسلام کی بعد کی تصنیف کی ہوئی ہیں ان میں تحریف کا ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوئی ہو۔ جب قرآن مجید موجود ہے پھر ہم اسی سے کیوں نہ تحقیق کریں اور وجہ کیا کہ ہم اپنا دارومدار جھوٹی روایات پر کر لیں اسلام پر کیا مقرر ہے دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں غلط اور صحیح روایات کا سلسلہ نہ ہو اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کا تکیہ اس کے معتقد مصنفوں کی رائے پر ہو۔ سر ولیم میور نے جہاں اسلام پر اور عنایتیں کی ہیں وہاں آپ یہ بھی زور دیتے ہیں کہ الواقدی کو جسے کل مسلمان مصنف کاذب کہتے ہیں صحیح مانا جائے اور وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی روایتیں اسی سے منتخب کی ہیں۔ خیر یہ اُن کی ذاتی رائے ہے اور انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ رکھیں مگر اسلام میں نہ ان باتوں کی کچھ وقعت ہے اور نہ یہ ذاتی خیالات مسلمانوں کے لئے کچھ حجت ہو سکتے ہیں۔

ہمیں بی بی سودا کی اس روایت پر ایک نظر کرنی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ روایت کیا ہے اور اس کی حقیقت کیوں کر ہے۔ مسلمانوں کی صحیح کتابوں میں بھی اس روایت کا ذکر ضرور ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے حضور انور کی ذات پر کیا الزام آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی باری دینے کا خیال آنا اور اس کی درخواست کرنا یہ حضرت بی بی کی ضعیفی پر دال ہو سکتا ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے کبھی اس قسم کا اشارہ کیا یا کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں حضرت بی بی سودا اگرچہ اسلامی خواتین کی ایک عمدہ نظیر تھیں اور آپ بہت پکی مسلمان تھیں پھر بھی آپ میں اس موروثی خون کا اثر موجود تھا جو نسلاً بعد نسلاً آپ میں چلا آتا تھا اور وہ خون وہی عربی صفت کا خون تھا جس میں بوڑھیا بیبیوں کو بلا وجہ چھوڑ دینا اور گھر سے نکال دینا ملا ہوا تھا۔ چونکہ آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور اس فخر کی عزت آپ محسوس کر چکی تھیں اسلئے آپ کے دل میں یکایک یہ خوف گزرا کہیں پیغمبر خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور یہ عزت جو مجھے حاصل ہوئی ہے نہ جاتی رہے۔ اس خوف سے اگر آپ نے رسول خدا کی خدمت میں یہ عرض کر دیا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب ادنے درجہ سے یکایک اسے کوئی عزت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سخت پریشانی اور بے مائیگی کے بعد کوئی اطمینان اور وقعت حاصل کر لیتا ہے تو اسے معمولی طور پر خیال ضرور آیا کرتے ہیں کہیں پھر وہی کیفیت نہ ہو جائے اور ایسی صورت میں کہ اس عزت پر پہنچنے کی اسے لیاقت نہیں ہوتی اور اتفاق سے اسے عالی مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی دل میں سہما کرتا ہے۔ حضرت بی بی سودہ

ابتدا میں ایک مصیبت زدہ خاتون تھیں ، اور آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی بڑی سختیاں اور پریشانیاں
اُٹھائی تھیں اور ان مہیب رسوم کا اثر آپکے دل اور دماغ میں موجود تھا جو صدہا برس سے آپ کی قوم میں چلی آتی تھیں
اور چونکہ آپ ضعیف بہت ہوگئی تھیں اور اُس ضعیفی کا اثر آپ کے خیالات پر بھی پڑنے لگا تھا آپنے یکایک یہ تصور
کیا اور آپ کو ایک خوف سا معلوم ہوا اور آپنے اپنا دلی اظہار حضور انور کی خدمت میں کر دیا۔ اب سمجھنے کی بات یہ
کہ کسی صحیح روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپنے بی بی سودہ کی باتوں کا کیا جواب دیا اور آیا آپ نے اُن کی اس
پریشانی میں کچھ ڈھارس بندھوائی یا نہیں اور پھر آپ کبھی حضرت بی بی سودہ کے پاس گئے یا نہیں۔ یا اخیر دم تک
اُن کی صورت نہیں دیکھی۔ یہ ساری باتیں بہت ہی غور طلب ہیں اور ان پر معمولی توجہ سے ہرگز کام نہیں نکلیگا۔
باری سونپنے اور پھر اُس باری کی درخواست کو قبول کرنے کے یہ معنی ہیں کہ آپ نے اُن سے زن و شوئی کا تعلق
قطع کر دیا تھا اور اخیر تک آپ نے بی بی سودہ کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ حالانکہ رسول خدا کے اخلاق سے یہ امر
بہت ہی بعید ہے جس پاک نفس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی کروروں بندگان خدا صرف آپ کے
مبارک نام پر جان دینے کو موجود ہوں اور آپ کا نام اُن کے کلیجے ہلا دینے کے لئے عجیب اثر رکھے اُس کی
نسبت ایسے مہمل خیالات پکانے سخت بے انصافی ہے۔ یہاں سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس روایت
کو بہمہ وجوہ بھی صحیح مان لیا جائے پھر بھی رسول مقبول پر کوئی الزام نہیں عاید ہوتا کیونکہ درخواست کی بی بی سودہ
نے اپنے موروثی خیالات کے مطابق محض بڑھاپے اور کمزور دل ہونے کی وجہ سے از خود بی بی سودہ کے
دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور انہوں نے معمولی طور پر اُس کا دفعیہ حضور انور سے ذکر کر کے کر دیا اور ساتھ ہی باری
سے دست بردار ہونے کے یہ معنی ہیں کہ میری عمر بڑھاپے کی آگئی میں نے کچھ شوہر کی خواہش کی وجہ سے نکاح
نہیں کیا تھا بلکہ غرض یہ تھی کہ میں حضور انور کی سرپرستی میں آجاؤں اور بس باری دینے کے معنی یہی ہیں کیونکہ
بلا درخواست اپنی باری سے دست بردار ہونے کا یہی مطلب ہے جو بیان ہوا ایک پہلو تو یہ تھا جو ہم نے بیان کیا
اور اس روایت کا دوسرا پہلو اور ہے جس پر ہم بحث کرتے ہیں اور ہم اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں خواہ وہ صحیحین
میں ہوں یا قرآن مجید میں تواریخ میں ہوں یا تفسیروں میں سب کے ایک ہی معنی لیتے ہیں اور کل روایتوں کا ایک
ہی پہلو ہے مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن میں رسول کریم کو ازواج کے معاملہ میں خطاب کیا گیا ہے اصل میں اس
خطاب کے اصلی مخاطب مسلمان ہیں۔ عورتوں کا معاملہ چونکہ زیادہ پیچیدہ تھا اور بہت ہی خطرناک صورت پکڑ
گیا تھا اسلئے اُس کا زیادہ سمجھانا مقصود تھا اور سمجھانے کا عمدہ پیرایہ یہی تھا کہ خود نبی کو مخاطب بنا لیا جائے جب
نبی سے خطاب کیا جائے گا تو مسلمانوں پر اُس کا بہت اثر پڑے گا اور وہ نہایت کوشش سے اُس پر عمل
کریں گے۔ اسیطرح جتنی صحیح حدیثیں اس قسم کی آئی ہیں اُن میں بھی دور اندیش پیشوایان اسلام نے بالخصوص
عورتوں کے معاملہ میں آنحضرت ہی سے نسبت دی ہے تاکہ مومنین کو تنبیہ ہو۔ مثلاً بی بی سودہ ہی کے معاملہ
سے ایک زبردست تنبیہ مسلمانوں کو نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک بی بی بڑھیا ہو جائے اور تمہاری

اور جوان بیبیاں موجود ہوں یا تم نکاح کرو تو اس بڑھیا کو محض بڑھاپے کی وجہ سے طلاق نہیں دینی چاہئے اور باہم اس کا معاملہ طے ہو جانا لازم ہے جیسا خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر (سورۃ نساء) یعنی اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بی بی سودا کیلئے نازل ہوئی تھی جب اُن کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسول خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور بعض راویوں کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں عام حکم ہے اس کا نزول بالخصوص بی بی سودا کے لئے نہیں ہوا تھا بہرحال کچھ ہی کیوں نہ ہو اس آیت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ مفارقت کسی صورت سے جایز نہیں ہے اور باہم صلح ہو جانی بہتر ہے۔ اب عورت کے دل میں اپنے خاوند کی طرف سے خوف پیدا ہونا بے بنیاد بھی ہو سکتا ہے اور اسکی معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ خاوند کسی فکر یا کسی خیال کی وجہ سے چند روز تک بی بی سے اپنی معہودہ عادت کے مطابق برتاؤ نہ کرے اور بی بی کو شبہ ہو کہ یہ مجھسے ناراض ہے اور مجھے چھوڑنا چاہتا ہے ایسی حالت میں خیالات کی صفائی ضرور ہو جانی چاہئے اور یہی حکم خدائے تعالیٰ کا ہے یا شوہر کو اپنی بی بی کی کوئی بات بری لگی ہو اور وہ کسی وجہ سے کہہ نہ سکتا ہو مگر کشیدہ خاطر رہنے لگے اور عورت کو اپنی خطا کا علم نہ ہو اور وہ دل میں مفارقت کا اندیشہ کرنے لگے تو اس حالت میں بھی صفائی ہو جانی بہتر ہے تاکہ طرفین کے دل سے کدورت نکلجائے۔

غرض حضرت بی بی سودا کا ایسا معاملہ نہیں ہے جسپر یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو رہا ہے اور بلا وجہ اُسے رنگ چڑھا چڑھا کے بیان کیا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے جو روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ اُن کے دل میں ازخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت بسبب ضعیفی کے مبادا مجھے طلاق دیدیں اور اُنہوں نے اپنے بے بنیاد شبہ کو آنحضرت سے عرض کرکے رفع کرلیا۔ بس بات اتنی ہے اور اس میں اور کوئی اعتراض کے قابل امر نہیں ہے بی بی سودہ اگرچہ خاتم النبیین کی بی بی تھیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں نبوت کی بھی شان پائی جاتی تھی اور آپ ربانی صفات سے مملو تھیں جو خاص نبیوں کو فطرت کی طرف سے عطا ہوتی ہیں آپ میں علاوہ موروثی خون ہونے کے عورتوں کی وہی فطرت تھی جو روز ازل سے اُنہیں عطا ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آپکے دل میں وہی خیال آیا جو اس عمر والی بی بی کو آ سکتا تھا۔ بڑی حکمت جو آپ کے اس خیال میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اس طرح اپنا اندیشہ ظاہر کرکے اس بات کا نقشہ کھینچ دیا کہ اس زمانہ میں عورتوں سے کیسا شرمناک برتاؤ کیا جاتا تھا اور یہی بیان مثل جونک کے نہیں کہ بُرائی ہوئی اور آثار کے پھینکدی یہی راز تھا جو اس روایت میں مضمر ہے اور جس کا بڑی دقت سے کھوج لگایا گیا ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس روایت کو صحیح مان کے لکھا ہے مگر ہماری رائے جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہے یہ روایت سراسر بناوٹی اور لغو ہے اور رسول کریم کی معاشرت پر ہرگز چسپاں نہیں ہوتی یہ روایت

منجملہ اُن لاکھوں غلط روایات کے ہی جو جدید فرقوں نے اسلام میں داخل ہونے پر غرشی ہوا ورکسی اعلے درجہ کے مورخ یا محدث کو واقعات یا احادیث کی تدوین کرتے وقت اس کا خیال نہ رہا ہو اسلئے کہ کسی محدث کسی مفسر کسی مجتہد کو معصوم نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان نہیں کہسکتا کہ فلاں محدث یا مفسر یا مجتہد معصوم تھا جب اسماء الرجال بنا ہی اور کھری کھوٹی حدیثیں پرکھنے میں آئی ہیں ممکن اور قرین قیاس ہی کہ لاکھوں جھوٹی سچی حدیثوں کے انتخاب کے وقت دس میں پچاس ایسی ہی انتخاب ہوگئی ہوں جنہیں سچا سمجھ لیا ہو اور وہ اخیر میں اُن صحیح کتابوں میں باقی رہ گئی ہوں جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہماری اس رائے سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا اسلئے کہ سوائے رسول کریم کے ہم کسی کی معصومیت کے قایل نہیں ہیں۔ اس کی بابت ہم آئندہ کہیں مفصل بحث کریں گے اور اب بی بی سودا کے حالات کو یہ لکھکے ختم کرتے ہیں کہ اول تو یہ روایت ہی صریح طور پر لغو ہے خواہ علاوہ قرآن کے کسی کتاب میں کیوں نہ ہو اور اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ہماری اوپر والی توضیح اُسکے لئے کافی ہی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس خاتون اعظم کی نسبت بہت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں نہ صرف عیسائیوں کی طرف سے بلکہ مسلمانوں کے ایک فریق کی جانب سے بھی بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئی ہیں ہم ان اعتراضوں کی اصلیت پر غور کرینگے اور دیکھینگے کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور اُن کی اصلیت کیا ہی۔

مختلف روایتوں کے طوفان بے تمیزی نے غضب ڈھا دیا ہے اور جب ایک محقق شخص اُس ڈھیر میں سے سچی روایتیں منتخب کرنا چاہتا ہے تو اُسے سخت دقتیں پڑتی ہیں اور وہ پریشان ہو کے کبھی منہ نوچتا ہے اور کبھی گریبان پھاڑتا ہے اور پھر غور کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ بڑی کوشش اور دقت کے بعد ہم نے کچھ واقعات کا انتخاب کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ انتخاب ایک حد تک ناظرین کا اطمینان کر دے گا حضرت صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ اور آپ کی سات سال کی عمر تھی جب رسول کریم سے آپ کا نکاح ہوا تھا اور تین برس کے بعد آپ وداع ہوئی تھیں۔ اس کم عمری کے نکاح پر بعض دریدہ دہن عیسائیوں نے بہت بڑی زبان درازیاں کی ہیں اور محض بازاری الفاظ سے رسول کریم کو یاد کیا ہے مگر ہم نہ اُن الفاظ کو نقل کریں گے اور نہ اُن کا ترکی بترکی جواب دینگے بلکہ جو طریقہ کہ نہایت شائستگی کا ہم نے اختیار کر لیا ہی اُس سے ہم تجاوز نہیں کرینگے اور انہیں مہذب الفاظ میں کل جوابات آجائیں گے۔

پہلا اعتراض صرف یہ ہے کہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس چھوٹی سی عمر کی بچی سے نکاح کرے۔ اس اعتراض کا مطلب نہیں سمجھ میں آیا۔ نکاح کے لئے کوئی عمر خاوند یا بی بی کی آسمانی مقرر کی ہوئی نہیں ہوتی چونکہ یہ دنیا کے معاملات ہیں اسلئے ملکی رسوم کے موافق ان پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ اگر ایک شخص کا نکاح اپنی

عمر سے بہت کم کی لڑکی سے ہوا تو اسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہوئے کہ بدنیتی سے نکاح ہوا جب جائز طریقہ بنا کحت کا برتا گیا پھر اُس کے ناجائز ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ عرب چونکہ گرم ملک ہے اسلئے وہاں چھوٹی عمروں میں اکثر نکاح ہو جاتے ہیں کچھ عرب ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عورت و مرد کی عمروں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے ہر قوم میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی عمریں پچاس ساٹھ سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہیں مگر اُن کی بی بیوں کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اگر نکاح کرنے میں عمروں کی کوئی قید ہو تو وہ بتائی جا ہیئے۔ مثلاً یوسف نجار کی عمر اسی سال کی تھی اور حضرت بی بی مریم عیسائیوں کے فرضی خداوند کی والدہ ماجدہ کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی جب شادی ہوئی ہے کیا ہم اپنی نادانی سے اس شادی کو ناجائز کہیں گے اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ ناجائز شادیوں کا مرتکب گنا جائے۔ یہ عجیب قانون ہے اور عجیب استدلال ہے جس کا سر نہ پیر۔ رسول کریم بدنیت تھے اس لئے اُنہوں نے بہت کم عمر کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اس سے زیادہ تعصب اور ہو نہیں سکتا کہ بلا وجہ الزام قایم کر دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے بڑا پالہ مارا۔

اور اس نکاح کا ایک سیاسی پہلو ہے اور اُسے بغور دیکھنا چاہیئے۔ حضرت صدیق اکبر قریشی سردار تھے اور انہیں رسول کریم نے ایک خاص عزت بخشی تھی ہجرت کے وقت بھی اُنہوں نے رفاقت کی تھی اور حضرت صدیق کی صاحبزادی اپنی جان کا خوف نہ کر کے غار میں ایک وقت کھانا پہنچا آتی تھیں پوخلوص اور محبت تھی مگر صدیق اکبر کے بہت سے رشتہ دار ابھی تک مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور برابر مخالفانہ کارروائی کئے جاتے تھے حضرت ابو بکر کے خیال میں اس سے بہتر حکمت کوئی نہیں آئی کہ اپنی صاحبزادی کا نکاح رسول کریم سے کر دیں تاکہ رشتہ داروں کے غصہ کی آگ رشتہ ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈی پڑے اور بعد ازاں علانیہ مخالفت نہ ہو سات برس کی عمر میں نکاح کرنے سے یہی بہت بڑی غرض تھی اور فی الحقیقت حضرت ابو بکر صدیق کا خیال بھی صحیح تھا۔ آپ نے اپنے اس خیال کو پختہ کر کے رسول کریم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی چاہیتی بیٹی آپکے نکاح میں دینا چاہتا ہوں رسول کریم نے قبول فرما لیا۔ یہ ممکن ہے کہ صدیق اکبر نے اس جدید نکاح کے راز اپنے معصوم بچی کو سمجھائے ہوں گے اور تمام اونچ نیچ بتا دی ہوگی غرض باقاعدہ نکاح ہوا اور تین برس کے بعد حضرت بی بی عائشہ وداع کر دی گئیں۔

اس جدید تعلق نے ایک نئے اتحاد کی اور بنیاد ڈالی اور جو مقاصد کہ اس سے حاصل ہونے خیال کئے گئے تھے سب آسانی سے حاصل ہو گئے۔ اب یہ باتیں بیان کرنا کہ رسول کریم کو سب بی بیوں سے زیادہ بی بی عائشہ سے بہت محبت تھی اور آپ ان ہی کے پاس زیادہ رہتے تھے فضول بات ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں ہاں محبت تھی اور بہت ہی محبت تھی سخت شرم کی بات ہے کہ خاوند بی بی کی محبت پر بھی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور اسے بھی عیب گنا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ نے اپنی بی بیوں سے محبت کر کے اسبات کی نظیر قایم کر دی

کہ بی بیاں اسلئے نہیں بنائی گئی ہیں کہ ان سے حقارت پیش آیا جائے اور انہیں مثل لدا و جانوروں کے سمجھا جائے اور نفرت سے ان سے بات کی جائے اور کبھی بخندہ پیشانی ان سے پیش نہ آیا جائے۔ یہ ساری باتیں دنیا کی تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں عورتوں کے ساتھ برتی جاتی تھیں اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عورتوں کو اثاث البیت خیال کیا جاتا تھا۔ نیا لے لیا پرانا پھینکدیا۔ آپ نے اس لئے بھی اتنی شادیاں کی تھیں کہ خود برتاؤ کرکے اپنی اُمت کو بتا دیں کہ کس طرح بی بیوں سے محبت رکھتے ہیں ان کے فرائض کیا ہیں اور انہیں کیوں کر ادا کیا جاتا ہے۔ متعدد بی بیاں ہونے پر بھی سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے اور یکساں سب کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ زبانی نصیحت کا اتنا بڑا اثر نہیں پڑتا جتنا عملی نصیحت کا ہوتا ہے اور آپ کو بحیثیت ایک جلیل القدر نبی ہونے کے لازمی بلکہ ضروری تھا کہ دنیا کی قدیم معاشرت میں آپ نے جو کچھ ترمیمیں کی تھیں وہ خود کرکے دکھا دیں۔ جو کچھ آپ کی ترمیم شدہ معاشرت تھی وہ نہ صرف قریشیوں سے بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی غیر تھی۔ عورتوں کے حقوق کی اس طرح نگہداشت ان سے محبت کرنا یہ ایک عجیب و غریب سماں تھا جو دنیا تعجب سے دیکھ رہی تھی اور بعد ازاں مسلمانوں کی یہ معاشرت کہ لونڈیاں بیگموں سے زیادہ بڑھ گئیں غیر قوموں میں تعجب سے دیکھی گئی۔

اگر آپ متعدد نکاح نہ کرتے تو مسلمانوں کو عملی طور پر کیوں کر سمجھا سکتے تھے کہ بی بیوں سے کیونکر برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور ان کے حقوق اگر متعدد ہوں تو مساوی رکھنے کا خاوند کا بہت بڑا فرض ہے۔ عیسائی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام کہتے ہیں کہ آپ کو عورتوں سے بہت ہی محبت تھی یہ بھی عجیب تماشہ کی بات ہی کہ عورتوں سے محبت کرنے کو اس اُنیسویں صدی کے متمدن زمانہ میں جرم قرار دیا جاتا ہے لاکھ کچھ تہذیب پھیلے اور ہزار کچھ تمدن میں ترقی ہو لیکن ممکن نہیں کہ عیسائیوں کی عورتوں سے نفرت کرنے کی موروثی عادت جائے۔ انسان کی جو اصلی فطرت ہونی چاہیئے اور جس کے بغیر انسان کبھی انسان نہیں بن سکتا اُس صفت پر دریدہ دہن معترض حملے کرتے ہیں اور اُس کا شمار دنیا کے بدترین عیبوں میں کرتے ہیں۔ عیب نمایدہنرش درنظر کا مضمون ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کی صداقت میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہی مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ نماز خوشبو اور عورت۔ بظاہر اس حدیث سے نفس پرست کچھ ہی خیال کیوں نہ کریں مگر اس حدیث قدسی میں عورتوں کے اعلے مدارج کا پورا خاکا کھینچ دیا اور بتادیا ہے کہ عورتوں کے کیا درجے ہیں اور ان کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ دنیا بھر کی اس شرمناک رسم پر کہ عورتوں کو مثل مویشیوں کے خیال کیا جاتا تھا اس حدیث سے ایک بہت بڑا تازیانہ لگا اور تمام قدیمی خیالات کی جڑ اکھیڑ کے پھینک دی گئی۔ آپ نے عورتوں کی محبت کو عبادت الٰہی کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور اس سے زیادہ عورتوں کی تعظیم ممکن نہیں۔ کون اعتراض کرسکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں کی گئی اور کون دعویٰ کرسکتا ہی کہ اسلام عورتوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا ہے آپ نے

عورتوں سے محبت کرنے کا بڑی سرگرمی سے اس وقت اعتراف فرمایا کہ جب عورتوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کرنے کی مہیب رسم تمام عرب میں جاری تھی اور تمام قوموں نے عورت کو شیطان کا لقب دیا تھا۔ اس ریختہ اور عورتوں سے انتہا درجہ نفرت کے زمانہ میں عورتوں کی محبت کو عبادت رب الافواج اور خوشبو کے پہلو بہ پہلو رکھنا ایک زبردست دلیری اور اعلےٰ درجہ کی عورتوں کے مدارج میں ترقی تھی۔ اور انصاف سے نظر کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عورتوں سے محبت اور اُن کا پاس و ادب کرنے کا فخر اسلام سے زیادہ کسی مذہب کو بھی نہیں ہے۔ جو عیسائی مصنف کہ اس غیر معمولی محبت پر حضور انور پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی حق بجانب ہیں کیوں کہ انہیں اپنے آبا و اجداد کی نفرت کا ورثہ ملا ہے اگرچہ بظاہر وہ کیسی ہی باتیں بنائیں لیکن ممکن نہیں کہ دل سے اُس نفرت کو نکال دیں جو اُن کے خون میں صدہا سال سے ملی ہوئی ہے۔

حضور انور نے زبان مبارک ہی سے نہیں فرمایا کہ مجھے عورتوں سے دلی محبت ہے بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی دیدیا اور دنیا کو سکھا دیا کہ عورتوں کی محبت انسانیت اور شرافت کی جزو اعظم ہے اور وہ انسان نہیں ہو کہ جسکے دل میں عورتوں کا پاس و ادب نہ ہو حضور انور کی اس عملی تعلیم کا اثر مسلمانوں پر بین طور سے ہوا اور آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جسکے ہاں عورتوں کا اتنا بڑا احترام کیا جاتا ہو جتنا مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے حضور انور کی کل ازواج پاک امہات المومنین کے معزز لقب سے ممتاز ہیں اور ہمیشہ مسلمانوں نے اُن کا وہی احترام کیا ہے جو اُن کے ساتھ بمقتضائے اصول اسلام ہو سکتا تھا حضرت فاطمۃ الزہرا حضور انور کی صاحبزادی دنیا کی خاتونوں میں اول درجہ سمجھی جاتی ہیں اور آپ ہی خاتون محشر بھی کہلاتی ہیں یہاں تک آپ کا احترام کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی اُخروی نجات کا دار و مدار آپ ہی کی تعظیم پر منحصر کر دیا۔ اسی طرح حضرت بی بی عائشہ کو تمدن اسلام میں بہت بڑا مرتبہ عطا کیا گیا اور احادیث صحیحہ کے بڑے حصہ کی صحت کا دار و مدار صرف آپ ہی کی ذات پر موقوف ہے۔ آپ سے صدہا احادیث منقول ہیں اور آپ نے مذہب اسلام کو ایسی مدد دی ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے وہ آپ کا ممنون رہیگا۔

حضرت بی بی عائشہ کے مفصل سوانح عمری سے جو ہم آگے لکھیں گے آپ کا علم و فضل آپ کا سیاسی دماغ اور آپ کی سپاہیانہ کارروائیوں کا پورا علم ہو جائے گا اور کافی طور پر اس امر کی صداقت ہو جائے گی کہ اسلام نے عورتوں کو کتنا عروج پر پہنچایا تھا اور اُن کی مردوں کے ساتھ کس حد تک مساوات ہو گئی تھی۔

اس نکاح کی بابت اگر عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ بہت کم عمری میں نکاح ہوا اور اس سوا اس کے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے یا اُن روایتوں کو نقل کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کی نسبت مشہور ہیں کہ انہوں نے اپنی زبان سے اپنے تعلقات زوجیت کا اظہار کیا اور اُس محبت کو بتایا جو حضور انور آپ سے رکھتے تھے چنانچہ ہم اُن روایتوں کا خلاصہ کر دیتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نسبت دیجاتی ہیں اور انہیں کو اُن کا قابل بنایا جاتا ہے۔ وہ روایتیں یہ ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں پیغمبر خدا کی ساری

ازواج میں کئی وجہ سے اچھی ہوں اول آپ کی ساری بی بیوں میں میں ہی بن بیاہی آئی۔ دوم میرے ماں باپ دونوں مہاجر تھے سوم جب زناکاری کا بہتان لگایا گیا تھا۔ آسمان سے میرے بیگناہ ہونے پر آیت آئی تھی چہارم جب میں بن بیاہی تھی جبرائیل نے میری تصویر پیغمبر خدا کو دکھائی تھی کہ اس سے نکاح کرو پنجم میں اور پیغمبر خدا دونوں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے اور کسی بی بی کیساتھ ایسا نہیں ہوا ششم شب کو پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں سامنے لیٹی رہتی تھی ہفتم کسی بی بی کے ہاں سوتے ہوئے وحی نہیں آئی مگر میرے ہاں سوتے وقت کبھی کبھی وحی بھی آئی تھی ہشتم آپ نے اُس وقت وفات پائی جب میرے زانو پر سر مبارک رکھا ہوا تھا نہم جس شب آپ نے وفات پائی وہ میرے مکان میں رہنے کی شب تھی۔ دہم میرے ہی حجرہ میں آپ مدفون ہوئے۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں یعنی آپ فرماتی ہیں جب میرا نکاح ہوا میں چھ سال کی تھی اور جب میں اپنے گھر سے وداع ہوئی میری عمر نو برس کی تھی میرا مہر پانسو درہم کا بندھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی روائتیں ہیں جو ہم نے عمداً قلم انداز کردی ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ سب کا ایک ہی مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو آپ کے ساتھ سب بی بیوں سے زیادہ خصوصیت تھی اب ہم ان روایتوں کی فطرت پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں صداقت کا مادہ کتنا ہے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ دوسری ازواج نے آپ کے مقابلہ میں رسول خدا کی محبت کا اظہار کیا تھا ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بلاوجہ حضرت عائشہ نے اُن رازدارانہ تعلقات کے بیان کرنے میں جو زوجیت سے متعلق تھے اتنی دردسری فرمائی ہو کسی حدیث اور کسی تاریخ اور کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور کے وصال کے بعد خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ نے بھی اُمہات المومنین کی تکریم اور عزت کرنے اور اُن کے حقوق بحال رکھنے میں کچھ بھی کمی کی ہو یا اُن میں کچھ امتیاز قایم کیا ہو مثلاً حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں حضرت عائشہ کی اس وجہ سے زیادہ چلگئی ہو کہ آپ خلیفہ وقت کی بیٹی تھیں اور حضرت فاروق اعظم کی خلافت میں حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کا طوطی بولنے لگا ہو کیوں کہ آپکے والد خلیفہ ہوئے تھے۔ یہ بات ہرگز نہ تھی نہ اسکا خفیف سا اشارہ بھی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں پایا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں کل ازواج پاک سے ادب اور بے انتہا تکریم کا یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا سب کی تنخواہوں میں مساوات تھی اور ایک تل برابر بھی فرق کسی سے برتاؤ کرنے میں نتھا حضرت بی بی عائشہ کی زیادہ تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی نہ اُنہیں کوئی جاگیر بخشدی گئی تھی۔ نہ بی بی حفصہ کے ساتھ کوئی خاص رعایت حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ جب یہ بات نہ تھی اور مساوات اس درجہ قایم تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر کسی بی بی نے حضور انور کیساتھ اپنی خصوصیات کا جبکہ مقابلہ میں اور کوئی مدعی نہ تھا بلاوجہ اظہار کیا یہ ایک گہرا راز ہے جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور یہ ایک بہت بڑی بات ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ روایتوں کی

صداقت اور غیر صداقت معلوم ہو جاتی ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کی وفات کے بعد اپنے حقوق زایل ہوتے ہوئے دیکھتی ہی یا یہ نظر کرتی ہے کہ دوسرا مدعی مقابل میں اپنی خصوصیت کا اظہار کر رہا ہے تو اُس وقت اُ دبا کے اُسے اُن تعلقات کا خواہ زبانی ہو یا تحریر میں آچکے ہوں اظہار کرنا پڑتا ہے جو مرحوم کے ساتھ اُسے تھے۔ اس کا ذکر نہیں کہ اُس کے بیان میں صداقت کس قدر ہوتی ہی اور لغویت کتنی۔ اور جب یہ بات نہیں ہے اور کوئی مدعی بھی نہیں کھڑا ہوا ہے اور نہ حقوق زائل ہونے کا اندیشہ ہی پھر نہیں ممکن ہو سکتا کہ وہ بلا وجہ بولنے لگے کہ مجھسے یہ خصوصیت تھی اور یہ گہرا تعلق تھا۔ ایک پہلو تو یہ ہی دوسرا پہلو ان روایات کا جن کی نسبت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دی جاتی ہی یہ ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ زوجیت کے رازدارانہ تعلقات کا کوئی خاتون علی الاعلان اظہار کرے۔ عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک کی کیوں نہ ہو شرم کا مادّہ ودیعت ہوا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے خاوند کے رازوں کو بھی کبھی کسی حالت میں دوسروں کے آگے بیان نہیں کرتی کی۔ یہ باتیں جن کا تعلق خاص اپنے نفس سے ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کے آگے اُن کا دوسرانا محض فضول ہے اور بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ جیسی عالمہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آپ نے زوجیت کے رازوں کا اس طرح اظہار کر دیا تھا سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ روایتیں اسلامی کتب میں موجود ہیں اور اس کا بھی ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اُن میں بعض روایات کا پتہ اسلامی صحیح کتب میں بھی ملتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم ان روایتوں کا وہ مفہوم سمجھیں جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں جس طرح ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی عزت اور تکریم کا خیال تھا اسی طرح آپ کے بعد علما اور محدثین کو بھی اس کی طرف پوری توجہ تھی چوں کہ یہ ترمیم عورتوں کے تمدن میں نئی نئی ہوئی تھی اسلئے علمائے اسلام کو خیال تھا کہ مبادا قوم مسلم پھر اپنی موروثی عادت پر آ جائیں اور عورتوں کو اُسی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگیں جس نظر سے کہ اُن کے آبا و اجداد یا وہ خود قبل از اسلام دیکھتے تھے اس نظر سے ایسی روایتیں بنائی ہوں جن میں یہ تذکرہ ہو کہ نبی معصوم کس طرح اپنی ازواج پاک سے محبت رکھتے تھے اور آپ نے عام مسلمانوں کو کس طرح عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی عمدہ تعلیم دی ہی ان روایات کے بیان کرنے میں سوائے اس حکمت کے اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے سادہ خیالات اور سادی معاشرت تھیں جو ان کے دل میں تھا وہ اُن کی زبان پر تھا اور وہ ہرگز یہ نہیں سمجھتے تھے کہ جو اقوال نیک نیتی سے بیان کئے گئے ہیں اُن پر اس طرح نکتہ چینیاں ہوں گی اور یہ طوفان بے تمیزی اُٹھے گا۔ وہ اپنا سا نیک نیت دنیا کو سمجھتے تھے اور اُنہیں اسلام نے اول ہی روز سے یہ تعلیم ہی نہیں دی تھی کہ بدظنی کو اپنے خیال میں رستہ دیتے۔ ان روایات کی مجموعی صورت پر جب نظر جائے گی تو معلوم ہوگا کہ کسی طور سے بھی ان کی نسبت حضرت عائشہ کی ذات کے ساتھ نہیں ہو سکتی اور ممکن نہیں کہ اُنہوں نے بلا وجہ اور بلا سبب اپنے زوجیت کے اندرونی تعلقات کا اس طرح افشا کیا ہو اور

اگر ہم اسے صحیح تسلیم کرلیں اور یہ سمجھیں کہ یہ روایتیں کسی طرح بھی غلط نہیں ہوسکتیں بیشک جتنے اقوال کہ مشہور
کئے جاتے ہیں یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں تو ہم اُن روایات کو صحیح سمجھکے ہر ایک کی توضیح
کرینگے تاکہ عام طور پر یہ معلوم ہوجائے کہ ایک روایت سے بھی کوئی نقص حضور انور یا اُم المومنین کی ذات
میں نہیں آسکتا جن کے خیالات اس معاملہ میں مذبذب ہیں وہ اور جو ان اقوال پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا
توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الزامی جواب دینے پسند نہیں کرتے ہمارے جتنے جواب ہوں گے وہ
سب تحقیقی ہوں گے ہمیں مطلب کیا کہ دوسرے مذہب میں فلاں فلاں بدتہذیبی کی باتیں ہیں اور یہ نقائص
ہیں۔ جب ہم یہ سمجھ چکے کہ اسلام سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے پھر اُسکے کسی بات کی گنجایش ہی نہیں ہے
اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر الزامی جواب دینا لازمی ہوجاتا ہے اور بغیر اس کے چارہ نہیں
ہوتا مگر اس موقع پر چنداں الزامی جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے ہماری غرض
بحث و مباحثہ میں پڑنے کی نہیں ہے بلکہ ہمارا اصلی منشا اُس غلط فہمی کو مٹانے کا ہے جو بعض کوتاہ اندیشیوں
کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگئی ہیں اور بعض بدتہذیب ناشائستہ کرسٹانوں نے بات کا بتنگڑ بنا کے
ان واقعات پر شرمناکی کا ایسا رنگ چڑھایا کہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ فرضی خداوند کے ماننے والوں اور یہودیوں
کی بھی اس قدر جرات ہوئی کہ وہ اس دریدہ دہنی سے فخر رسل پر معترض ہونے لگے اور انہیں اپنے آپے کی کچھ
خبر نہ رہی کہ بی بی مریم کو یہودی کیا کہتے ہیں۔ اُن کے فرضی خداوند کی نسبت یہودیوں کی مذہبی انجمن میں کیا فیصلہ
ہوچکا ہے اور اُن کے مصنوعی مذہب کی بنا کس ناقابل یقین اصول پر ہے۔ باینہمہ ہم اُن پر کچھ سب و شتم نہیں کرتے
بلکہ دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں راہ ہدایت دکھائے۔

(اول) حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ میں پیغمبر خدا کی کل ازواج میں اچھی ہوں کیا برائی پیدا کرتا ہے۔ یہ مانا کہ سب
نبی کی بیبیاں تھیں لیکن یہ تو نہیں کہا جاتا کہ اُن بیبیوں کے خیالات قابلیتیں اور دماغی قوت بھی یکساں
تھی چونکہ ایک شخص ہمیشہ کچھ نہ کچھ دوسرے شخص پر فضیلت رکھتا ہے اگر آپ کی ازواج میں ایک کو دوسری پر
فضیلت ہوگئی تو اُس میں عیب کیا نکلتا ہے مگر جو باتیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے وجہ فضیلت روایت کیگئی
ہیں وہ یہ ہیں۔ اول کوارے پنے میں نکاح ہونا۔ اس میں بھی کچھ غلطی نہیں ہے نہ جھوٹ ہے نہ کوئی افترا ہے
صحیح ہے جب رسول مقبول سے نکاح ہوا ہے تو آپ بن بیاہی تھیں۔ معلوم نہیں کہ ایک خاتون کا یہ قول
کہ میرا نکاح کوارے پنے میں ہوا کیوں لائق سرزنش خیال کیا جاتا ہے۔ اگر لفظ کواری کوئی فحش لفظ ہے
تو بی بی مریم کے ساتھ کواری مریم عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں کیوں لکھا ہے اور کیوں شب و روز
فرضی خداوند کے ماننے والے گرجاؤں میں کواری مریم کا نام جپا کرتے ہیں۔ شب و روز ہر قسم کی گفتگو اور تہذیب
سے مہذب علم ادب میں کیوں کوارے یا کواری کا لفظ مستعمل ہوا کرتا ہے یہ ساری باتیں محض تعصب کی بنا پر بنائی
جاتی ہیں مگر انکا کذب تو اسقدر عیاں ہے کہ معترض خود دل میں سمجھتا ہوگا کہ میں دیدہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہوں۔

دوسرا فخر حضرت عائشہ کا یہ ہے کہ میرے والدین مہاجر تھے یہ بھی غلط نہیں ہے نہ اس بیان کرنے میں
کسی قسم کی برائی عاید ہوسکتی ہے حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر کرنا تھا وجہ تعلق اسلام پر دال ہے کہ ان کے والدین
مہاجر ہیں یعنی انہوں نے اپنا وطن اور اپنے رشتہ دار رسول خدا کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔ شاید ہجرت کرنا عیسائیوں
کی نظروں میں اس لئے کھٹکتا ہوگا کہ جب حضرت مسیح پر مصیبت آئی ہے تو ایک بھی نہ دکھائی دیا تھا اور جو شب و روز
مسیح کے ساتھ مفت کے مال اڑاتے تھے انہوں نے بھی صورت نہیں دکھائی تھی اس لحاظ سے عیسائیوں نے
سچی رفاقت اور اس پر فخر کرنے کو آئندہ سے جرم قرار دیدیا اور وہ اس امر کو سخت معیوب سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص
اپنی وفاداری یا اپنے والدین کی وفاداری پر جو ایک سچے محسن کے ساتھ ہوئی ہو فخر کرے یا اس کا اظہار کرے اسلئے
وہ اس فخر پر جو حضرت بی بی عائشہ اپنے والدین کے مہاجر ہونا کا کرتی ہیں سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ یہ
ان کے فرضی خداوند مسیح کی عملی تعلیم ہے اسلئے وہ بھی قابل معافی ہیں۔

تیسرا فخر بی بی عائشہ کا یہ بیان ہوا ہے کہ بہتان عظیم مجھ پر اٹھایا گیا تھا خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید کرکے آسمان
سے آیت اتار دی۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا تقدیس اور بزرگی ہوسکتی ہے کہ آسمان سے
کسی کی صداقت کی آیت نازل ہو حضرت بی بی عائشہ پر بہتان قایم ہونے کے واقعہ کی خواہ کچھ ہی اصلیت کیوں
نہ ہو اور مفسرین میں اس کی نسبت خواہ کچھ ہی غلط فہمی کیوں نہ پڑ گئی ہو مگر اس وقت ہم اس واقعہ کو ان ہی معمولی
معنوں میں لے کے بیان کرتے ہیں جو عام طور پر سمجھ لئے گئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کے قافلہ سے پیچھے رہجانے
پر شبہ ہوا تو حضور انور کو بحیثیت اس کے کہ آپ انسان تھے اور انسانی جذبات اور خیالات سے مملو تھے بدگمانی
ہوئی اور چند روز تک باہم کشیدگی رہی۔ اس عرصہ میں حضرت بی بی عائشہ سے درخواست کی گئی کہ وہ توبہ کریں
اور معافی مانگیں مگر انہوں نے صاف انکار کیا کہ میں بالکل مقدس اور پاک ہوں اور مجھے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کی
کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسئلہ صحابہ میں بھی پیش ہوا اور کسی نے کچھ رائے نہ دی کیوں کہ یہاں رائے دینے کا
کوئی موقع نہ تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت بھی متردد تھے اور کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ رسول کریم کی کشیدگی
سے صحابہ اور خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بزرگ والد حضرت ابوبکر صدیق ناراض تھے مگر حضرت
بی بی عائشہ کو کسی کی ناراضی کی مطلق پروا نہ تھی اور وہ ان بدگمانیوں یا شبہات کی جو لوگوں کو ان کی طرف ہوگئے
تھے بہت دلیری سے مقابلہ کرتی تھیں اور اپنی تقدیس کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں چونکہ وہ حق پر تھیں اسلئے وہ
تنہا دلیری کے ساتھ اپنی صداقت پر قدم جمائے رہیں یہاں تک کہ آسمان سے ان کی صداقت کی شہادت
نازل ہوئی اور تمام ازواج میں فی الحقیقت یہ فخر حضرت بی بی عائشہ ہی کو ملا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے ان کیلئے
آیت نازل کرکے ان کی تقدیس کی شہادت دی ہو کسی کے تہمت لگانے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ تہمت لگانے
والے سچے ہیں۔ اور جن پر تہمت لگائی گئی ہے وہ ملزم ہیں حضرت بی بی مریم پر یہودی تہمت لگاتے ہیں اگر محض
تہمت لگانا کچھ وزن رکھتا ہے تو حضرت بی بی مریم کی عصمت اور تقدیس کی کچھ شہادت نہیں ہے نہ حضرت مسیح کا پیدا

کوئی صریح قول موجود ہے جس سے اُس الزام کی تردید ہوتی ہو جو یہودی اُنپر قایم کرتے ہیں۔ ہاں قرآن مجید نے حضرت بی بی مریم کی تقدیس کی کچھ شہادت دی ہے اور بس۔ ایک عیسائی معترض یہ لکھتا ہے کہ سوائے قرآن کی ایک آیت کے اور کوئی ثبوت بی بی عائشہ کی پاکدامنی کا مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ حضرت بی بی مریم کی پاکدامنی کی تو ایک بھی شہادت نہیں ہے۔ رہا سوائے قرآنی آیت کے دوسرا ثبوت مسلمانوں کے پاس نہ ہونا یہ کوئی قابل الزام امر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کی ورلفظی شہادت ہزار ہا روایتوں اور شہادتوں پر سبقت رکھتی ہے جب قرآن مجید نے شہادت دیدی پھر انہیں دوسرے شاہد کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی اور بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمان تھے وہ قرآن مجید کے مقابلہ پر دوسرا شاہد تلاش بھی نہ کرسکتے تھے۔ بہرحال اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ اُنہیں جتنا فخر کریں زیبا تھا۔

چوتھا فخر یہ ہے کہ جب میں بن بیاہی تھی جبرئیل نے رسول خدا کو میری تصویر دکھا کے کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کر۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو ہم نہیں خیال کرسکتے کہ اس میں کیا قباحت ہے اور کیوں حضرت جبرئیل کا تصویر دکھانا ناجائز گنا جاتا ہے۔ تصویر دکھانے سے یہ مطلب صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے یہ نکاح ہوا اور اس نکاح میں خاص خاص مصلحتیں اور حکمت عملیاں تھیں جنکا مختصر ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی کام بغیر خدا کے حکم کے نہیں ہوتا اگر حضرت عائشہ نے یہ روایت بیان کی تو اس کے لفظی معنی کیوں لئے جاتے ہیں اور مجازی معنی سے کیوں روگردانی کی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر جبرئیل کے تصویر دکھانے کے معنی حکم خدا کے لیں تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔ چلو یہ بھی نہ صحیح اس روایت کے وہی معنی لیتے ہیں جو ظاہر الفاظ سے پائے جاتے ہیں تاہم اس میں اُس وقت بھی نکتہ چینی کو کوئی گنجایش نہیں رہتی جب کہ انجیلوں اور توریت میں ہزاروں لغو اور دور از قیاس اور فحش باتیں بھری ہوئی ہیں ہم کس بنا پر اُنہیں تسلیم کرتے ہیں اور اس معمولی روایت پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر بھی فی الحقیقت بجا و درست تھا۔

پانچواں فخر پیغمبر خدا اور میں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے یہ فخر اور کسی بی بی کو حاصل نہیں ہوا سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک برتن میں نہانے کے کیا معنی ہیں۔ اگر یورپی تہذیب کا مضمون لیں کہ ایک ٹب میں گھر کا گھر نہاتا ہے اسی میں صابون گھلتا ہے اور ایک بار نہانے کے بعد وہی پانی بھرا رہتا ہے اور پھر اسی میں دوسرے دن غوطہ لگایا جاتا ہے اور اخیر وہ پانی سڑ جاتا ہے پھر کہیں بمشکل پھینکا جاتا ہے تو یہ تہذیب عرب میں رائج نہ تھی ہاں یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک برتن سے نہایا جاتا ہو اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں ہے ہاں اُس شخص کے لئے فخر کی بات ہے جو مسلمان ہو اور جس برتن سے رسول کریم نے غسل کیا ہو اُسی کو وہ استعمال کرے تو اس سے زیادہ فخر اُسے ہو نہیں سکتا۔ اگر فرض کریں کہ حضرت عائشہ نے ایک ہی برتن میں نہانے کا فخر کیا تو اُن کی یہ اعلےٰ درجہ کی ایمان کی نشانی ہے کہ رسول کریم

کی ادنے ادنے مہربانیوں کا انہیں کس قدر فخر تھا اور وہ اُسے کس درجہ اپنی عزت اور امتیاز کی نشانی سمجھتی تھیں اس پر اعتراض کرنا اور ان باتوں کا مضحکہ اڑانا یہ نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ عین ناانسانیت ہے۔ اس قسم کے بیہودہ اعتراضات اپنے ساتھ کچھ وزن نہیں رکھتے بلکہ ان سے معترض کا سفلہ پن پایا جاتا ہے۔ کیا تماشہ کی بات ہے کہ اس انیسویں صدی میں ایک برتن میں نہانا عیب خیال کیا گیا ہے اور اس امر کو منافی نبوت سمجھا گیا ہے اگر یہ امور صحیح بھی ہوں تو ان سے اتنا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عورت و مرد کی اس مغائرت کو کھونے کی تدبیر کی گئی تھی جو مخلوق میں خون کی طرح پیوست ہو گئی تھی اور کسی طرح بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ الحمد للہ کہ رسول کریم کو اس میں کامیابی ہوئی۔

چھٹا فخر پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی۔ یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے شکر ہے یہ بات تو ثابت ہوئی کہ رسول کریم حضرت بی بی عائشہ جیسی چاہیتی بی بی کے ہاں بھی آکے خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور اگر بفرض محال یہ بھی صحیح ہو کہ نماز پڑھتے وقت حضرت عائشہ آگے لیٹی رہتی تھیں تو یہ بھی اپنی اُمت کے لئے ایک زبردست تعلیم ہے کہ انسان اپنے جذبات دلی کو بالخصوص اُس وقت جب اُس کی جوان بی بی آگے لیٹی ہوئی ہو کس طرح مغلوب کر کے خدا کی عبادت کر سکتا ہے یہاں گویا انسانی قوت اور دلی جذبات پر غالب آنے کی ایک بے نظیر مثال قایم کی ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنی ممکن نہیں۔ اگر ہر بات کو حق سمجھ کے غور کیا جائے گا تو سب میں ایک زبردست تعلیم اور حکمت کا پہلو ضرور ہو گا اگر ہم اپنے کے پھوٹے اُس حکمت کو نہ دیکھیں تو یہ قصور حکمت کا نہیں ہے بلکہ دلی بصارت کا نقص ہے سعدی نے بہت ہی درست کہا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم کا کوئی فعل حکمت اور تعلیم سے خالی نہ تھا آپ کا اُٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا کھانا پینا غرض ہر کام میں بالغہ حکمت مضمر تھی اگر آپ نے پچاس برس کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا تو یہ بھی اعلےٰ درجہ کی تعلیم تھی کہ مرد جوانی کی عمر میں اپنی سی بڑی بی بی پر کس طرح قانع رہ سکتا ہے متعدد نکاح کئے ان میں بھی بہت بڑی تعلیم تھی کہ انسان کئی کئی بیبیاں کر کے کس طرح مساوات قایم رکھے۔ اور اُسے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے ایک اعلےٰ درجہ کے برتاؤ کے یہ معنی ہیں کہ ہر بی بی خوش ہو اور یہ سمجھے کہ مجھ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگر حضرت بی بی عائشہ کے فخر نقل کئے گئے ہیں تو اُن کے مقابلہ میں کسی اور بی بی کی شکایتیں بھی درج نہیں ہیں۔ کہ فلاں بی بی کو رسول کریم سے یہ شکایت تھی اور وہ اس وجہ سے ناراض رہتی تھیں۔ ایک قسم کا کھانا ایک قسم کا لباس خوشی ہے تو سب کو برابر مصیبت ہے تو سب کو مساوی۔ فاقہ ہے تو سب پر یکساں اگر ایک بی بی کے حجرہ میں چراغ نہیں ہے تو سب کے حجروں میں اندھیرا ہے۔ یہ مساوات تھی اور یہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم تھی جو نہ کبھی زمانہ نے دیکھی اور نہ کبھی کسی قوم میں پھیلی۔ آنحضرت کی اور بی بیاں بڑی عمر کی تھیں بعض جوانی سے ڈھلی ہوئی بعض ادھیڑ اور بعض بوڑھی مگر حضرت بی بی عائشہ سب میں جوان تھیں اسپر بھی آپ یکساں برتاؤ کر کے

بتا دیا کہ خاوندوں کو اپنی مختلف العمر بیبیوں کے ساتھ کس طرح مساوات رکھنی چاہیے اگر آپ بھی مثل حضرت مسیح کے فرضی کنواریوں کے تذکرے کرتے رہتے اور دولہ دولہنوں سے مشابہت دیتے رہتے اور عورتوں کی معاشرت میں کوئی عملی اصلاح نہ کرتے تو کیا کیفیت ہوتی اور عورتوں کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہو جاتی نہ انہیں حقوق ملتے نہ اُن کی عزت کی جاتی نہ اُن پر رحم کیا جاتا وہ اسی طرح مردوں کی خواہشوں کی شکار ہوتیں اور ان کا دادرس ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا۔ الحمد للہ کہ اس وقت تک کروڑوں عورتیں ان حقوق سے فیضیاب ہو چکیں اور کروڑوں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ یہ اسی معاشرت کا پرتو ہے جس پر نامہذب دریدہ دہن اعتراض کر رہے ہیں۔

ساتواں فخر پیغمبر خدا پر میرے حجرہ میں وحی نازل ہوتی تھی یا آنحضرت نے میرے زانو پر سر رکھ کے وفات پائی یا آنحضرت میرے حجرہ میں مدفون ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ وحی کا حضرت بی بی عائشہ کے کمرہ میں آنا وہی معنی رکھتا ہے جو ہم نے نماز پڑھنے کے بیان کئے ہیں۔ حضرت جبرئیل یا روح القدس وحی لاتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ آپکی مبارک زندگی کا ایک لمحہ بھی تعلیم و تلقین سے خالی نہ ہوتا تھا۔ بی بی کے حجرہ میں جا کے بجائے اس کے کہ آپ آرام کرتے مگر نہیں وہاں بھی لو اپنے معبود سے لگی رہتی تھی اور فی الحقیقت آپ کا کوئی نفس یادِ خدا اور اصلاح بنی نوع سے خالی نہ تھا ایک عیسائی کے اعتراض میں لفظ کبھی کبھی کا موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے حجرہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی اس میں بھی ایک عجیب بات پائی جاتی ہے اگر ہمیشہ نازل ہوتی تو ایک عادت خیال کی جاتی اور جب کبھی کبھی نازل ہوئی تو اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کے دل میں ربانی جذبوں کا ابھارا اور آپ کے منور قلب سے وحی کا فوارہ اُچھلنا کسی خاص تنہائی کے وقت مقرر نہ تھا بلکہ دنیا کے گہرے تعلق کے وقت بھی آپ کے مبارک قلب کی وہی کیفیت تھی جو تنہائی میں ہو سکتی تھی خاص حجرہ ہی پر کیا منحصر ہے وہ مقام اور وہ شخص جس سے جو مقام تعلق رکھتا ہے وحی نازل ہونے پر جتنا فخر کرے بجا ہے۔ اسی طرح وفات کے وقت حضرت بی بی عائشہ کے زانو پر سر رکھنے کے یہ معنی ہیں تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ عورتوں کا پاس و لحاظ آپ کتنا فرماتے تھے اور آپ کو اس کائنات کی ماں سے کس بلا کی محبت تھی۔ بیشک جس طرح حضرت بی بی عائشہ کو ان باتوں پر فخر ہے اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر ہے کہ ہمارے رسول کریم نے متعدد نکاح کر کے تعلقات زن و شو کی کیسی سچی تصویر کھینچ دی ہے

یہ ساری باتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی معتبر کتابوں میں نہیں ہیں۔ جن مسلمان مورخوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں قابل اعتبار نہیں ہیں یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور زیادہ تر ان میں وہ حدیثیں ہیں جو عورتوں کی رازدارانہ معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً جب عبد اللہ بن عمر نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت بی بی عائشہ بہت ہی ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبد اللہ یہ کیوں نہیں فتویٰ دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈوا ڈالیں۔ اس قسم کی اصلاحیں عورتوں کی خاص معاشرت میں آپ نے بہت سی فرمائی ہیں۔ حضور انور کی اور ازواج پاک سے بھی بہت سی

حدیثیں منقول ہیں مگر ان حدیثوں کی تعداد سب میں زیادہ بڑھی ہوئی ہے جو آپ نے روایت فرمائی ہیں مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہمارے علما نے کل اُن روایتوں کو تسلیم نہیں کر لیا ہے جو حضرت بی بی عائشہ کیطرف منسوب ہیں مثلاً معراج کے بارے میں اس خاتون اُم المومنین کا یہ مذہب ہے کہ پیغمبر خدا کو روحانی معراج ہوئی مگر اور علما اس روایت کے خلاف گئے ہیں اور اُنہوں نے معراج کو بجائے روحانی کے جسمانی مانا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو روایتیں آپ کے نام کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں فی الحقیقت وہ سب آپ ہی کی روایت سے ہوں جبکہ لاکھوں اقوال کی نسبت رسول کریم کی اطہر و اقدس ذات سے دیدی گئی تو یہ کوئی بڑی بات تھی کہ آپ کی ازواج پاک سے ہزاروں روایتوں کی نسبت نہ دی جاتی۔ ہر راوی کا حدیث کے موضوع کرنے وقت فرض تھا کہ وہ کسی بڑے شخص کا نام لے اور اپنے موضوعی قول کو اُس کی نسبت دے تا کہ سننے والے اُسپر اعتبار کریں اور اُنہیں اُس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہ ہو۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا نے چونکہ سیاسی معاملات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اسلئے آپ کی شہرت بہ نسبت اور ازواج پاک کے بہت ہی زیادہ ہو گئی تھی یہی وجہ ہے کہ اکثر اقوال کی آپ کے نام کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ اکثر آپ پر نئے نئے الزام قایم کئے گئے ہیں حتیٰ کہ آپ کو رسول کریم کا پکا دشمن بناکے دکھایا گیا ہے (معاذ اللہ) وہ اقوال جو سینوں کی کتابوں میں آپ کے نام سے مرقوم ہیں اُن اقوال سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں آپ کے سر چپکے گئے ہیں۔ پھر خوارج کی کتب ہیں اُن میں بھی صدہا بلکہ ہزارہا اقوال آپ کے نقل ہیں مگر صداقت کی روشنی بہت ہی کم اقوال پر پڑ سکتی ہے جب سے آپ کو اُم المومنین کا فخر حاصل ہوا ہے اور جب تک آپ کی وفات ہوئی ہے روایتوں۔ الزاموں۔ اتہاموں۔ اور ناروا طوفانوں کا ایک دریا ہے جو موجیں مار رہا ہے اور ایک انبار ہے جو کتابوں میں بھرا ہوا ہے۔ اس طوفان بے تمیزی سے پہلو بچانا اور اس لایعنی انبار میں سے صحیح صحیح باتوں کا انتخاب کرنا حقیقت میں بہت بڑا کام رکھتا ہے۔ عیسائی معترضین کو تو ان الزامات کی ہوا بھی نہیں لگی ہے جو اس اُم المومنین پر مسلمانوں ہی کے ایک فریق نے قایم کئے ہیں۔ وہ روایتیں کہ خود رسول کریم کے زمانہ میں آپ پر تہمت لگائی گئی اور آپ کا ناقہ قافلہ سے بھٹک کے ذرا پیچھے رہ گیا تھا اور پھر آپ کی تطہیر کی نسبت وحی نازل ہوئی ایک عجیب بے معنی قیاس ہے جسے بلا وجوہات سنیوں کی معتبر کتابوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ نہ آپ کبھی قافلہ کے پیچھے رہ گئیں نہ آپ پر رسول کریم کے سامنے کوئی تہمت لگائی گئی نہ آپ کی تطہیر کی نسبت کوئی وحی نازل ہوئی یہ ساری باتیں بعد ازاں تراشی گئی ہیں اور انہیں فی الحقیقت صداقت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے ہم ان روایتوں پر جب بالتفصیل بحث کریں گے اور انہیں نفس صداقت کی محک پر رکھکے پرکھینگے تو معلوم ہو جائیگا کہ حقیقت سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور یہ ساری شرمناک باتیں صرف اُس مخالف فریق کے معاندانہ خیالات کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں میں خلیفہ ثالث کے وقت سے پیدا ہو گیا تھا اور اُسی نے ان مصنوعی روایات کی اس قدر شہرت دی کہ وہ درجہ تواتر تک پہنچ گئیں اور عام طور پر سب کو اس کا یقین ہونے لگا۔ اگر قرآن مجید بہت سی وایتوں

کی تکذیب نہ کرتا تو اسلام میں اور بھی خرابی پیدا ہو جاتی اور پھر صحیح واقعات کا بمشکل کچھ ملسکتا۔ حضرت بی بی عائشہ کی مثل اور ازواج پاک کے خانگی زندگی نہ تھی کہ اُن کے حالات قلمبند نہ ہوتے۔ اور بہت سی جھوٹی باتیں اُنکے نام سے نہ مشہور رہتیں۔ جتنے مشہور لوگ ہوئے ہیں بشرطیکہ وہ مذہبی بھی ہوں اُن کے نام سے ہزاروں اقوال ایجاد ہو گئے اور ایسی ہزاروں باتیں موضوع کر لی گئیں جنہیں صداقت سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے مثلاً لاکھوں حدیثیں حضور انور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے شہرت پاگئیں اگرچہ بعد ازاں اُن کی تحقیق و تدقیق بے انتہا کی گئی لیکن پھر بھی بہت سی رواتیں ایسی باقی رہ گئیں جنکا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہو سکتا۔ ابتدائی سنین ہجری میں خلفا کا باہم جھگڑا۔ نئے گروہوں کا پیدا ہونا اور اُن میں کشمکش ہونی روایتوں کے موضوع ہونیکی کافی شہادت ہو سکتی ہے۔ ہزاروں اقوال جو حضرت ابوبکر صدیق کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں فی الحقیقت اُن کے نہیں ہیں اسیطرح سے نئے اقوال کی ہر خلیفہ اور اُم المومنین کے نام سے نسبت دی گئی ہے جنسے اُنہیں واقعی کچھ بھی سروکار نہیں تھا مصنوعی حکایتوں کا طوفان بے تمیزی برپا ہے اور صداقت پر یہ موضوع اقوال مثل ایک جال کے پھیلے ہوتے ہیں ایک محقق کے لئے صداقت کو اس جال میں سے نکال لینا اگر ناممکن نہیں ہے محال تو ضرور ہی ہے۔

ان جھوٹی رواتیوں کی ایجاد کا باعث دراصل وہ خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں ہوئی ہیں جو آغاز سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں اور جنکا سلسلہ دراز عرصہ تک رہا۔ اگرچہ زمانہ نے اُن لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے مگر جو نتایج کہ ایسی خانہ جنگیوں سے فطرتاً پیدا ہو سکتے ہیں وہ مسلمانوں کو بہمہ وجوہ حاصل ہیں۔ اور صدیوں کا غبار اُن کے خون میں ایسا آمیز ہو گیا ہے کہ نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر اس اثر میں کچھ کمی نہیں آتی۔ اگرچہ اس زہریلے اختلاف میں بھی اسلام کا معجزہ باقی ہے یعنی سب کلمۂ توحید پڑھتے ہیں محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور اسلام کے دل سے پیرو ہیں مگر پھر بھی اس خطرناک اختلاف نے نہ صرف اخلاقی حالت پر برا اثر کیا ہے بلکہ دنیاوی معاشرت پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں کیا۔ یہ مخالفت جو اس وقت ہو رہی ہے یہ صرف اُن اختلافی روایات کی خرابی ہے جو اسلام کے عظیم گروہوں میں لاکھوں پائی جاتی ہیں۔ ان اختلافی رواتیوں نے قرآن مجید کے معنی پر بھی اثر ڈالا اور مجبوراً اُس کی آیتوں کو ان ہی جھوٹی روایات کا جامہ پہنایا گیا جو مسلمانوں کو بطور ورثہ پہنچی تھیں اس لئے اکثر تفاسیر میں وہ وہ واقعے بیان ہوئے ہیں کہ جن کا نہ کبھی ظہور ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ اُنکی کچھ اصل ہے۔ بھلا کجا شام کجا چین اور کجا ایک درخت کا وجود اور کجا اُس کی شاخوں کا چین جاکے گرنا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض مشرقی فسانوں کا رنگ پایا جاتا ہے اور کلام الٰہی یا فطرت کی بیاض کو ان بیہودہ باتوں اور خیالی لطیفوں سے کچھ بھی سروکار نہیں۔

یہی وجہ بہت بڑی ہے کہ ہمیں بہت سی روایتوں کی اگرچہ وہ مشہور ہوتے ہوتے تواتر تک پہنچ گئی ہیں تکذیب کرنی پڑی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ جدید قسم کا استدلال آئندہ نسلوں کے لئے مفید ثابت

ہوگا۔ تاریخوں میں ہزاروں واقعات بھرے پڑے ہیں ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم آنکھیں بند کرکے اُن واقعات کو تسلیم کرلیں اور یہ تحقیق نہ کریں کہ آیا جو واقعہ بیان ہوا ہے اُس کا تطابق بھی اُس زمانہ کی معاشرت سے ہوسکتا ہے اور آیا جس کی نسبت مذکور ہوا ہے اُس پر پھبتا بھی ہے یا نہیں اور اُس کی معاشرت اُس کی شان اور اسکی وضع کے کہاں تک مخالف ہے اور کہاں تک موافق ہے۔ اس کا راوی کون ہے آیا وہ سنی ہوئی لکھتا ہے یا چشمدید بیان کرتا ہے اگر سنی ہوئی کہتا ہے تو اُس نے کس شخص سے سُنا اور آیا جس شخص نے اُس سے بیان کیا ہے اُس نے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے یا وہ بھی سنی سنائی کہتا ہے۔ اور اگر لکھنے والا چشمدید واقعات لکھ رہا ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ کس کی تائید اور کس کی مخالفت میں ہے اور جو واقعات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اُن سے نتیجہ نکالنے میں تو اُس نے دھوکا نہیں کھایا غرض جب تک ایسی اور ان جیسی بہت سی باتوں کا نہ خیال کرلیا جائے گا کبھی مختلف تواریخوں میں سے خواہ ہمعصر مورخوں کی ہوں یا بعد کی صحیح واقعات کا انتخاب نہیں ہوسکتا۔ کون ہے جو یہ عرقریزی کرکے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جس نے انصاف سے کبھی ایسی جانکاہی کی ہے۔

ہم نے جو اصول واقعات کے جانچنے کے اوپر لکھے ہیں انشاء اللہ ہم ان پر کاربند ہونے کی کوشش کریں گے اور حتے الامکان اُنہیں نبھائیں گے۔ خدا ہماری مدد کرے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

ہم سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے شرمناک واقعہ کو اپنے اصول متعارفہ سے جانچ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ہمعصر شہادت اس واقعہ کی نہیں ہے کہ آپ کاروان سے پیچھے رہ گئی تھیں اور اس وجہ سے آپ پر کچھ شبہ ہوا تھا۔ اور اگر فرض کریں کہ اس واقعہ کی کوئی ہمعصر شہادت ہے بھی تو وہ اُس وقت قلمبند نہیں ہوئی تھی بلکہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یہ واقعہ تحریر میں آیا۔ اور جس وقت یہ واقعہ لکھا گیا وہ زمانہ المامون کی سلطنت کا تھا جو معتزلی تھا اور اسے اس جیسے واقعہ کے لکھے جانے کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اگرچہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ لکھنے والوں نے بہ نسبت کہنے والوں کے محض نیک نیتی سے قلمبند کیا اور اُن کی نیک نیتی اسی سے عیاں ہے کہ انہوں نے ساتھ ہی آیہ تطہیر کو بھی قلمبند کردیا جو اُس الزام کے غلط ہونے پر آسمان سے نازل ہوئی تھی پھر بھی وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اُس غلطی سے نہیں بچ سکے جو بحیثیت انسان ہونے کے اُنہیں لازمی تھی اور اُس سے بچنا کسیطرح بھی ممکن نہ تھا یعنی اُنہیں تحقیق کے سخت مراحل درپیش تھے اور بہ نسبت ہمارے اُنہیں صدہا درجہ زیادہ مشکلات کا سامنا تھا اُن پر سلطنت کا بھی کچھ نہ کچھ دباؤ تھا۔ اُنہیں لاکھوں غلط روایتوں میں سے صحیح روایات کا انتخاب کرنا تھا۔ اُنہیں لوگوں کے خیالات اور محسوسات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔ اُنہیں عامۃ خلائق کے اعتقادات پر بھی پوری نظر کرنی تھی اور ان سب مشکلات پر ایک یہ مشکل اُنہیں درپیش تھی کہ کوئی معیار ابھی تک صحیح اور غیر صحیح

روایت کے جانچنے کی اُن کے پاس نہ تھی پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ معمولی انسان کی طاقت سے باہر کیا اور ایسا کیا جس کی زمانہ تابقائے اسلام یعنی تاقیامت داد دے گا چوں کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق معصوم نہ تھے اس لئے ممکن ہے کہ اُن سے کہیں اغلاط رہ گئی ہوں اور وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اس فروگزاشت میں پڑ گئے ہوں جس میں اگر وہ واقف ہوتے تو کبھی بھی نہ پڑتے۔

منجملہ اور واقعات کے جن میں قطعی فروگزاشت ہوئی حضرت صدیقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے عقل باور نہیں کرتی کہ جو الزام آپ پر لگایا جاتا ہے وہ نبی اور آپ کی نبوت اور پھر اُم المومنین کی حالت پر چسپاں ہو۔ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ الزام اگرچہ ظاہر طور پر حضرت بی بی عائشہ پر لگایا جاتا ہے مگر اصلی ملزم (معاذ اللہ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ٹھیرتے ہیں کیوں کہ حضرت صدیقہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ اتفاق سے اُن کا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا صرف اونٹ کے پیچھے رہ جانے سے کسی کو کیا حق تھا جو آپ کی طرف بدگمانی کرتا اور خیال میں بھی کوئی بُرا نتیجہ پیدا کرتا جبکہ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی کسی نے کوئی عینی شہادت نہیں دی تھی پھر کیوں اور کس وجہ سے ایسا ہوا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم جیسا جلیل القدر نبی شبہ کرنے لگے اور شبہ بھی ایسا کہ دونوں بات نہ کرے اور سخت متردد رہے کہیں اپنے صحابہ سے مشورہ کرے کہ کیا کروں کہیں بی بی عائشہ سے یہ کہے کہ تم توبہ کرو پس معلوم ہو گیا کہ یہ ساری باتیں گھڑی ہوئی ہیں اور اُنہیں حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

اسی واقعہ کا ایک اور پہلو بھی غور کرنے کا ہے عرب میں مثل ہندوستان کے پردہ نہیں تھا اور نہ عرب کی یہ معاشرت کے خلاف تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ کسی کام کو کہیں چلی جائے تو اُس پر شبہ کیا جائے۔ عورتوں کی حالت مثل مردوں کے آزاد تھی خواہ اُن سے برتاؤ کیسا ہی ہوتا تھا مگر وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ہر جنگ میں جاتی تھیں۔ اپنے خاوندوں۔ بھائیوں اور باپ کے علاوہ کنبہ کے اور مردوں کے ساتھ بھی سفر کرتی تھیں مگر بدگمانی کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آتا تھا مثلاً جب مشرکین عرب نے پے در پے مدینہ منورہ پر حملے کئے ہیں تو مشرکین عرب کی عورتیں برابر فوج کے ساتھ آئی تھیں اور دف بجا بجا کے اپنے سپاہیوں کو جنگ کا جوش دے رہی تھیں۔ عربوں کی اس معاشرت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کرتی تھیں اور کوئی شبہ کرنے والا نہ تھا۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا قبل از نکاح نبی معصوم غیر مردوں سے تجارت کے معاملات طے کرنے اور آزادی سے کل کاموں کو انجام دینا اس امر کی کافی شہادت ہے کہ معمولی لین دین اور آمد و رفت میں اُن کے ہاں شبہ کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ ابولہب کی بی بی کا لکڑیاں لینے کے لئے تنہا جنگل میں جانا اور رسی میں پھنس کے مر جانا عورتوں کی آزادی کے یہ کل واقعات پورے شاہد ہیں۔ اسی طرح اگر حضرت عائشہ پیچھے رہ گئیں اور بسبب بھٹک جانے کے کچھ عرصہ تک نہ پہنچ سکیں تو یہ عربوں کی آزادانہ معاشرت اور ملکی رسم کے بموجب اعتراض اور شبہ کی جگہ نہ تھی۔ جب یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں پھر کیوں کر سمجھ میں

آسکتا ہے کہ معمولی بات پر ایک جلیل القدر پیغمبر شبہ کرتا اور کئی دن تک خود بھی پریشان رہتا اور اپنے صحابہ اور اپنی پیاری بی بی کو بھی پریشان رکھتا۔ ایسے بیہودہ شبہوں کی اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے تمام متواتر تو ایسی واقعات جو صحابہ راشدین کے سامنے گزرے اور انہوں نے ایسے امور میں فیصلہ کیا اس کی خاص دلیل ہیں کہ اسلام نے اس قسم کی شبہات کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا حضرت فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پر زنا کا الزام لگایا گیا اور جو شہادتیں برہنہ ہونے وغیرہ کی گزریں ان سے بظاہر کافی ثبوت وقوع جرم کا ہو سکتا تھا مگر جبکہ کوئی شہادت وقوع فعل کے متعلق نہ تھی آپ نے عورت و مرد کو بری کر دیا۔ اور فی الحقیقت انصاف بھی یہی چاہتا تھا جب یہاں تک معاملات کی چھان بین ہوتی تھی تو بھلا کب خیال میں آسکتا ہے کہ قافلہ سے بھٹکے پیچھے رہ جانے پر شبہ کیا گیا ہو اور خواہ مخواہ ایک فرضی معاملہ کو اس قدر طول دیا گیا ہو۔ یہ الزام اور اس قسم کے بہت سے الزام محض معاملات سیاسی کی کشش اور خانہ جنگیوں سے بنائے گئے ہیں ورنہ ایسی باتوں کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی۔

حضرت بی بی عائشہ کے سوانح عمری پر اگر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور ان الزامات کو بھی قبول کر لیا جائے جو آپ پر قایم کئے گئے ہیں پھر بھی آپ کی غیر معمولی فقیہانہ قابلیت اور انتظامی و ملکی لیاقت میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صرف آپ ہی کی طفیل سے ہزاروں ایسے مسائل کا کھوج ملتا ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں اور ایسے مسایل کا سمجھانا ایک مرد کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا جس طرح دنیاوی معاشرت اور تمدن کے بارے میں مردوں کو اصلاح کی بہت ضرورت تھی اسی طرح عورتوں کو بھی اس کی اشد حاجت تھی اور بغیر اس کے پاکی کے مسائل کبھی سمجھ ہی میں نہ آسکتے تھے جب تک آپ زندہ رہیں آپ نے بہت کچھ مسائل جو رسول کریم سے آپ کو معلوم ہو چکے تھے بیان فرمائے اور ملکی معاملات میں بھی آپ نے پورا حصہ لیا۔ آپ نے ہمیشہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسین شہید کربلا کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ دو مدو امیر معاویہ سے حسنین کے بارے میں لڑی ہیں چنانچہ جب امیر معاویہ مدینہ آئے ہیں اور ایک جلسہ کیا ہے تو وہاں حضرت امام حسین کو بلایا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کر کے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا ذکر چھیڑا اور حضرت امام حسین سے درخواست کی کہ آپ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں آپ نے انکار کیا تو چند شامی سپاہی جو امیر معاویہ کی ہمراہ شام سے آئے تھے اس انکار پر بھڑک اٹھے اور انہوں نے تلواریں نکال لیں امیر معاویہ نے دیکھ کے سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا حضرت امام حسین فہمیدہ شخص ہیں سوچ سمجھ کے راضی ہو جاہیں گے۔

چنانچہ اخیر میں حضرت امام حسین سے بیعت کی مرضی ظاہر فرمائی۔ اس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہ کو ہوئی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کی جناب میں شامیوں نے گستاخی کی آپ یہ سن کے مارے غصہ کے کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لے کے مسجد نبوی میں آئیں اور امیر معاویہ کو طلب کیا۔ وہ فوراً آئے صورت دیکھتے ہی بہت ہی للکارا اور فوراً تلوار نکال کے کہا میں نے سنا ہے کہ تو نبی معصوم و برحق کے نواسے

اس طرح پیش آیا ہے تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں تیری ساری امیری کو خاک میں ملا دونگی یہ سن کر معاویہ نے باادب عرض کیا اے ام المومنین کسی نے آپ کو غلط خبر دی نہیں سے حضرت امام حسین کی ایسی گستاخی کی نہیں کر سکتا تھا یہ بیشک ہوا کہ بعض غیر محتاط شامیوں نے بیعت کے انکار پر تلوار نکال لی تھی اس لئے یہ خبر اڑی ہے حالانکہ میں نے اُنہیں ڈانٹ دیا حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ زبردستی بیعت لینے کا تجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے تو جان اگر پھر کوئی ایسی بات ہوئی تو اپنی خیر نہ سمجھیو۔

یہ تھا فدائیانہ عشق جو آپ اہلبیت سے رکھتی تھیں اور یہ تھی سپاہیانہ روح جو آپ میں اول روز سے ودیعت ہوئی تھی۔ آپ کے پرجلال اقوال اور آپ کے زبردست کلمے ابھی تک موجود ہیں جنگ جمل میں جب بڑا گھمسان کا میدان ہو چکا ہی تو حضرت علی نے آپکے بھائی کو آپ کے پاس سمجھانے کیلئے بھیجا چنانچہ وہ آئے اور اُنہوں نے کجاوے پر ہاتھ رکھ کے پاس آ کے کچھ کہنا چاہا تھا آپ چونکہ پردہ میں تشریف رکھتی تھیں اپنے بھائی کی صورت نہیں دیکھی نہایت دلیری سے بولیں یہ کون ہے جو یہاں تک ہاتھ لے آیا ہے حالانکہ سوائے نبی معصوم کے کسی کا ہاتھ کبھی میری طرف نہیں بڑھا ہے میں تلوار سے اڑاتی ہوں نہیں ہاتھ کو ہٹالے یہ سن کے آپ کے بھائی نے کہا بہن میں ہوں تم سے علی کا ایک پیغام کہنے آیا ہوں۔ پھر آپ نے پاس بلا کے وہ پیغام سنا۔ اللہ اکبر جس خاتون کا یہ دبدبہ اور یہ جلال ہو۔ اُس کی نسبت شبہ کرنا اور بلا وجہ اس شبہ کو یقین کا جامہ پہنانا عقل اور انصاف سے کس درجہ بعید ہے۔

آپ کے آگے آنے والی مختصر سوانح عمری سے پوری کیفیت کھل جائے گی کہ آپ کیا تھیں اور آپ نے اپنی زندگی میں کیا کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے واقعہ پر رائے قایم کر دینی جسے تیرہ سو برس گزر چکے ہوں اور پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھ کے اس سے نتیجہ نکال لینا فہمیدہ اشخاص کا کام نہیں ہوتا جتنے اعتراضات اسلام کا ایک فریق حضرت بی بی عائشہ پر کر چکا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہیں اور جتنی نکتہ چینیاں کہ نوپید عیسائیوں اور آریوں نے کی ہیں اُنہیں بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعتراضوں کی بنیاد تقلید۔ ناواقفیت اور موروثی عداوت ہے۔ ورنہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو سچا ہو اور اصول تاریخ سے اُس کا ثبوت ہوتا ہو اور صداقت کی محک پر گھسنے کے بعد وہ کھرا اترتا ہو۔ اسلامی فریق نے اگر کچھ اعتراض کئے تھے تو وہ محض کشیدگی کی بنا پر مگر عیسائیوں اور آریوں کے نوپید گروہوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں بلکہ بعض تو تہذیب سے بھی معرا ہو گئے اور اُنہوں نے وہ گالیاں سنائیں کہ العنۃ لمہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ازواج پاک سے اُنہیں کاہے کی دشمنی پڑ گئی اور اُنہوں نے ناحق بیٹھے بٹھائے کیوں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا۔ تین میں نہ تیرہ میں مثل لوند کے مہینے کے بیچ میں آ کودے۔ ہاں اگر حضرت بی بی مریم کی شان میں گستاخی کی جاتی اور یہودیوں کے اقوال بیان کئے جاتے اور ہندوؤں کی دیبیوں پر بہتیرے باری ہوتی یا ان سے کوئی سیاسی تعلق رہتا اور مثل جنگ جمل وغیرہ کے کشاچھنی ہوئی ہوتی تو تو ایک بات بھی تھی

مگر جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے تو پھر محض ذاتی خباثت کے اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں ہزاروں اس قسم کی روایتیں نہ ہوں کہ انہیں ہر شخص اپنے پہلو پر لا کے بہت کچھ اعتراضات نہ کر سکے کسی شخص کی عالم بالا پر پرورش نہیں ہوئی ہے سب اسی دنیا کے رہنے والے ہیں سب کے ساتھ فروگذاشت اور کمزوری لگی ہوئی ہے اور سب کے ساتھ مرتے دم تک ضرورتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا پھر کتنی حماقت ہے کہ اپنے گریبان میں مُنہ تو نہ ڈالا جائے اور دوسروں کو گالیاں دی جائیں۔

ہمارا شیوہ نہیں ہے کہ ہم نا ملایم الفاظ زبان سے نکالیں یا الزامی جواب دینے بیٹھ جائیں بلکہ ہمیں بہت ہی صبر سے اُن گالیوں کو سننا چاہیئے اور گالیاں دینے والے کی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے کہ وہ کس تاریکی میں مبتلا ہے اور اس کی اخلاقی حالت حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہے کس درجہ ردی ہو گئی ہے۔ گالی کا جواب گالی بہت آسان ہے کون گالی دینا نہیں جانتا اور کس کو سیر کا جواب سوا سیر اور اینٹ کا جواب پتھر دینا نہیں آتا مگر اس قسم کے ترکی بترکی جواب کچھ خوبی کی بات نہیں ہیں انسان کی عین شرافت یہ ہے کہ وہ ایسے شخصوں کے حق میں رب الافواج کی عالی بارگاہ میں دعا کرے اور کبھی اس قسم کی گالیوں سے آزردہ نہ ہو اور خوب یقین کر لے کہ آفتاب کی کرنیں میلا ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایک دریا میں سے چند کتے پانی پی لیں اور چند سور اس میں مُنہ ڈال دیں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہو جائے گا جس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور جن اُمہات المومنین کو گالیاں دی گئی ہیں اُن کی شان ان گالیوں اور الزاموں سے بہت ہی ارفع ہے اُن پر سر جھکانے والے کروروں موجود ہیں اور اُن کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ان گالیوں سے اُنکے مرتبہ میں کچھ فرق نہیں آ سکتا جب کہ تیرہ سو برس سے برابر گالیاں دی جا رہی ہیں اُن کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو ان نو پیدا عیسائیوں اور آریوں کی گالیوں سے کیا نتیجہ ہوگا سوائے اس کے کہ اخلاق مسیحی اور اخلاق ہنود کا وزن معلوم ہو جائے گا اور بس۔

ہمارا فرض ہے کہ اس دیرینہ غلط فہمی کو مٹائیں جو اسلام کے دونوں فریق میں پڑ گئی ہے اور فریقین اُسے صحیح سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہ محض غلط ہے کہ حضور انور رسول کریم کی ازواج پاک میں کچھ کشمکش تھی یہ محض غلط ہے کہ وہ ایک دوسری کے تعلق پر رنجیدہ ہوتی تھیں یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کوئی راز کی بات اپنی کسی بی بی سے کہی اور اُس نے ظاہر کر دی یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کسی کو طلاق دینے کا محض بڑھاپے کی وجہ سے ارادہ کیا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا ہو اور آپ کو اُن کی نسبت شبہ ہوا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ حضرت علی سے اپنی قدیمی دشمنی کی بنا پر لڑی ہوں اور آپ کو اہلبیت سے کچھ عداوت ہو۔ ان کا اور اس قسم کی اور باتوں کا ہرگز ثبوت نہیں ہوتا اگرچہ تاریخوں میں اور فریقین کی معتبر کتابوں میں درج ضرور ہیں مگر اُن کے اختلاف سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُن میں صداقت کا مادہ مطلق نہیں ہے اب ہم مختصر طور پر حضرت بی بی عائشہ کے سوانح عمری لکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ ہم اُن الزامات کا بھی جواب دیتے جائیں گے

جو معترضوں نے آپ پر کئے ہیں۔

آپ کی سات سال کی عمر تھی جب آپ کا نکاح حضور انور سے ہوا اور تین سال کے بعد آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کے حضور انور کے ہاں چلی آئی تھیں۔ آپ کے زندگی کے واقعات کچھ عجیب وغریب ہیں جو کچھ تعلقات آپ کے ساتھ حضور انور کو تھے وہ ایسے بدیہی ہیں کہ اُن سے کسیطرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ آپ کو رسول کریم کے گھر میں تعلیم ملی تھی اُس کا نتیجہ بعد ازاں امت نے دیکھا آپ کی فقیہانہ قابلیت اور عالی دماغی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جو کچھ زندگی تک آپ نے کیا وہ اسلام میں بڑی ہی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ نے عورتوں کی معاشرت میں ایک بڑی بھاری اصلاح کی اور صحابہ کو بہت سی غلط فہمیوں سے جو عورتوں کی متعلق پڑ گئی تھیں بچا لیا۔ اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ آپ کو حضور انور کی احادیث پر عبور تھا اور کسی کو کم ہو سکتا ہے آپ کی صداقت اور راستبازی کی ادنےٰ شہادت یہ ہے کہ آپ کی روایتیں سب قبول کر لیتے تھے اور کسیکو بھی انکار کرنے کا یارا نہ تھا آپ کی زندگی کے واقعات نے اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خلافت سے نیا رنگ اختیار کر لیا اور اسی سبب سے ایک فریق کی آپ مورد طعن و تشنیع بنیں لیکن حضور انور کی زندگی ہی میں بہت سی باتیں ایسی پیدا ہو گئی ہیں جنہوں نے ایک سخت غلط فہمی میں لاکھوں مخلوق خدا کو مبتلا کر رکھا ہے اور اسلامی دنیا میں اسی سے ایک عجیب ہلچل پیدا ہو گئی ہے۔ واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں اُن کی بنیاد دراصل کچھ بھی نہیں ہے نہ انہیں نفس صداقت سے کچھ تعلق ہے مگر اِن غلط روایات نے ایسا مذہبی جامہ پہن لیا ہے کہ اُن کو دلوں سے نسیاً منسیاً کرنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے مگر محال ضرور ہے۔ ایک طرف تو یہ روائتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت عائشہ سے آنحضرت کو بہت ہی محبت تھی اور دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ آنحضرت کی جانی دشمن تھیں لیکن یہ ثابت نہیں کیا گیا ہے کہ دشمنی کے کیا اسباب تھے اور کیوں ایک بی بی جب کہ اُس کا خاوند اس پر فدا ہو بلا وجہ او بسبب دشمنی کرے گی۔ اس دشمنی کے متعلق جتنی روائتیں ہیں وہ ایسی مہمل اور خلاف قیاس ہیں کہ مطلق سمجھ میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتا کہ آخیر ان باتوں کا ظہور کیوں ہوا اور آیا ایسی غیر شائستہ امور حضور انور کے سامنے ہو بھی سکتے تھے یا نہیں۔

ڈھائی پونے تین صدی تک تو یہ باتیں دبی رہیں اور کسی نے کچھ بھی نہ جانا ہاں تیسری صدی کے آغاز میں جب صحیح بخاری کی ترتیب ہوتی ہے تو کچھ سرگوشیاں ہونے لگی تھیں اور کوشش کیجانے لگی تھی کہ اسکے مقابلہ میں ضرور کچھ تصنیف کیا جائے۔ تحریک ہوتی رہی اور اسے پورا پچاس کا عرصہ گزر گیا اخیر نصف صدی کے بعد روائتیں بننی شروع ہوئیں اور انہیں زبردستی مخالفت کا جامہ پہنانا شروع کیا۔ مگر سلطنت ایسے خلفا کی تھی جو ایسی صریح غلط باتیں شایع ہونی شاید گوارا نہ کرتے اس لئے اُن میں صداقت کا بھی کچھ رنگ دیا گیا اور بعد ازاں ان صحیح اقوال کی ایسی مٹی خراب ہوئی کہ العظمتہ للہ کہیں مقتضائے وقت بتایا گیا اور کہیں مجھ عمری

کا جذر کیا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ جتنے صحیح اقوال درج کئے گئے ہیں وہ سب فرضی ہیں
یا ائمہ نے ظالموں کے ظلم کی وجہ سے ایسا کہدیا ورنہ ہیں یہ سب غلط۔

ان ہی مذبذب اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت بی بی عائشہ کی نسبت بھی ہیں اور نہایت سختی
سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر رسول خدا کی کوئی بی بی دشمن تھی تو وہ عائشہ صدیقہ تھیں یہ خیال نہیں ہو سکتا
کہ پونے تین صدی کے بعد جب کہ ہزارہا انقلاب ہو چکے ہوں اور سوائے قرآن مجید کے اور کوئی نوشتہ
موجود نہ ہو کئی نسلیں بھی اس عرصہ میں گزر گئی ہوں پھر راویوں کو جدید اقوال کہاں سے ملگئے اور انہوں نے
ان کی صحت کی کیوں کر تصدیق کر لی۔ پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے کیوں ان روایتوں سے اختلاف
کیا اور کیوں نہیں مجبوراً انہیں تسلیم کرنا پڑا

جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ مخالفت کا مادہ کبھی نہ ابھرتا اگر حضرت بی بی عائشہ کی روایتوں کا انضباط
نہ ہوتا۔ چوں کہ آپ ملکی معاملات میں بخوبی حصہ لے چکی تھیں اور آپ کا ایک مخالف گروہ خلیفۂ ثالث کے وقت
ہی سے پیدا ہو گیا تھا اسلئے وہ گروہ ابھی تک موجود تھا جب اس نے دیکھا کہ احادیث نبوی کا ایک دفتر
منضبط ہو گیا ہے تو اس نے بھی ایک نئے دفتر کے انضباط کی جرأت کی اور اخیر ایک بہت بڑی کتاب
تصنیف کر کے ائمہ پاک کے مبارک ناموں سے اسے مرتب کیا۔ کیوں کہ پہلے دفتر میں ائمہ پاک کے
اقوال یا ان کی روایتیں رہ گئی تھیں اور پھر ان کی اس بری طرح ترتیب دی گئی کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کبھی
بھی پسند نہ کرتے۔

ہزاروں الزامات ہیں جو ان ہی فرضی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت بی بی عائشہ پر لگائے ہیں مگر ان
الزاموں میں سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ آپ نے ایک راز حضور انور پیغمبر کا افشا کر دیا تھا اس سے آنحضرت
کو بہت ہی صدمہ ہوا تھا اور آپ نے ۲۹ روز اپنی کسی بی بی سے بات چیت تک نہیں کی تھی اور اس راز کا
افشا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بصراحت آ گیا ہے اور مفسروں نے اس راز والی آیت کے عجیب غریب
معنی بیان کئے ہیں جن سے آیت کے نفس مطلب کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے ماریہ قبطیہ حرم رسول کریم اور
حضرت بی بی حفصہ اور حضرت بی بی عائشہ کی ایک حکایت بنائی ہے اور وہ حکایت گویا اس آیت کی تفسیر بیان
کی جاتی ہے یہ حکایت دیکھ کے عیسائیوں کو موقع ہاتھ لگا انہوں نے فوراً اسے رنگا میزی کر کے شایع کر دیا
اور وہ راز کار توضیحات سے رسول کریم کی شان میں ہزاروں نا ملایم الفاظ کہدیئے اور اپنی اس بزدلانہ
فتحمندی پر خوب ہی بغلیں بجائیں مسلمان فی الحقیقت اس آیت ہی کو نہیں سمجھے اور نہ انہوں نے اس کے
اصلی معنوں پر غور کیا اور نہ خدائے تعالے کی مرضی کی اس میں جستجو کی کسی نے کچھ اس کے معنی لکھے
اور کسی نے کچھ مگر سب نے اٹکل پچو تفسیر کی ہے اور محض ایک فرضی قصہ کی بنا پر جو آغاز سنین ہجری سے مشہور
چلا آتا تھا سب نے اسی قصہ کو اس آیت کا شان نزول ٹھہرا کے وہ نئے نئے معنی اسے پہنائے ہیں کہ جن کا

سرخ پیرا اور عجیب تماشہ کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی قصہ اور اسی میں اختلاف کوئی راوی کچھ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھ۔ جب خاص ایک ہی واقعہ میں اختلاف ہے پھر کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ واقعہ سچا ہوگا۔

جس آیت پر مفسروں نے مغالطہ کھایا ہے وہ آیت قرآن مجید کی یہ ہے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظہرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نباہا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر یعنی اُس وقت جب پیغمبر نے اپنی بعض ازواج سے کوئی بات خفیہ یا رازدارانہ کہی پس اُس عورت نے وہ راز افشا کر دیا اور آپ کو خدائے تعالےٰ نے اُس کی خبر دیدی اور آپ نے ان میں سے بعض سے اعراض کیا اور پھر آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تجھے کہاں سے خبر ہوئی اُس نے کہا خدائے علیم نے مجھے خبر دی ہے۔ اس راز سے ایک حکایت بنائی گئی ہے اور وہ ایسی ہی لغو ہے کہ جیسا سرخ پیرا خیر ہم اس حکایت کو تو پیچھے نقل کریں گے پہلے ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں۔

اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے کہی تھی اور وہ اُس نے نہیں چھپائی اور وہ بات دوسری سے ذکر کر دی اور بس سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ہے اب رہا یہ کہ وہ راز کیا تھا جو ظاہر کر دیا گیا اور وہ ایسا کونسا عظیم امر تھا کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا۔ یہ بات فی الحقیقت غور کرنے کی ہے اور بغیر مزید توجہ کے سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ رسول کریم کو عورتوں کی اصلاح بھی مردوں کے برابر منظور تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ جو عیب بعض مردوں کی ناقدری سے عورتوں میں آگئے ہیں وہ جاتے رہیں۔ آپ نے ہزاروں صورتیں اُن کی اصلاح کی نکالی تھیں اور خداوند تعالےٰ کی یہ مرضی ٹھیر چکی تھی کہ خاتم النبیین کے ہاتھ سے عورتوں کی اصلاح ہو جن بی بیوں سے آپنے نکاح کیا تھا اور متعدد نکاحوں سے آپ کی غرض کہ ان ہی کے ذریعہ سے عورتوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری ہوگا وہ بی بیاں اُسی آب و ہوا اور ملک کی رہنے والی تھیں جن میں عورتوں کی نفرت کا زہر ملا ہوا تھا اور بات بھی یہ تھی کہ عورتوں کے ظلم سہتے سہتے اخلاق بھی بہت بگڑ گئے تھے اور یہ فطری قاعدہ ہے کہ جب ابتدا سے کسی پر بیجا و بیجا زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا تو ضرور اُس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہو جائے گی ایسی جیسی عورتوں سے آپ کو سابقہ پڑا اور آپ نے اُن ہی کے ذریعہ سے اصلاح کرنی چاہی تو یہ بات اُس وقت تک ممکن نہیں ہوسکتی تھی جب تک خود وہ عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہو جاتیں۔ یہ ایک بڑا ضروری امر تھا۔ آپ نے انہیں تعلیم دینی شروع کی اور آپ نے ہر پہلو جسمانی معاشرت اور روحانی صفات کا انہیں بتایا کہ رازداری کیسی اعلےٰ درجہ کی چیز ہے اور رازداری سے کس قدر فوائد ہیں شوہر و زوجہ میں اتحاد قایم ہونے اور بی بی کی وقعت شوہر کی نظروں سے ہونے کی پہلی سیڑھی رازداری ہے۔ آپ نے ممکن ہے کوئی معمولی بات فرمائی ہو اور تاکید کر دی ہو کہ دوسری بی بی سے ذکر نہ کرنا اور اُس نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ذکر کر دیا ہو اور پھر اس کے راز کے افشا کرنے پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعتراض نازل ہوا کہ ایسا کرنا زیبا نہ تھا۔

سکھایا ایک زبردست تعلیم تھی جو مستورات کو دی گئی اور اصل یہ ہے کہ رازداری کی تعلیم سے زیادہ اور کوئی تعلیم ہو بھی نہیں سکتی تھی چونکہ عورتوں کی معاشرت ابتدا سے بہت ہی کمزور ہو گئی تھی اور اُن کے دل بھی نہایت کمزور تھے اور راز کو افشا کرنے کا عیب اگرچہ مردوں میں بھی زیادہ ہوتا ہے مگر عورتوں کو سہارا نہیں ہوتی اور وہ محض اپنی سادہ لوحی سے اپنی ہجولیوں سے کہہ دیتی ہیں اور اُس سے فساد کا باعث بڑا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے لازم تھا کہ اس کی بابت تاکید کی جاتی اور جس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے اور کوئی پیرایہ بہتر بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اگر راز کے افشا کرنے پر اُمہات المومنین کو فہمائش نہ کی جاتی تو اس کا زیادہ اثر مومنوں کی مستورات پر نہ پڑتا بلکہ خاتون اسلام سمجھ لیتیں کہ جب راز نہ پوشیدہ رکھنے پر ازواج پاک پر یہ خفگی ہوئی تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جو عورتوں کی اُس کمزور فطرت پر لگایا گیا ہے جس سے وہ راز کو نہ چھپا سکتی تھیں اور اُنہیں ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ ظاہر نظروں سے دیکھا جائے تو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر غور کرنے کے بعد کھلے گا کہ اس سے بڑا عیب انسان میں اور ہو نہیں سکتا کہ ایک کا راز دوسرے سے کہہ دے اور منع کرنے پر بھی باز نہ آئے۔ دنیا کے تمام کاموں کا دارومدار محض راز کے پوشیدہ ہونے پر ہے۔ جس کام کا راز چھپا ہوا ہے وہ برابر چلتا رہے گا اور جہاں راز کھلا پھر اُس کا قیام محال ہو جائے گا۔ چھوٹے کاموں سے لے کے سلطنت کے عظیم الشان معاملات تک سب میں راز موجود ہے اور گویا ہر کام کی بنا راز ہی پر سمجھنی چاہئے کل سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اپنے رازوں کے پوشیدہ رکھنے پر زندہ ہیں اگر کسی سلطنت کا راز کھل جائے تو اس کی بنیادیں ہل جائیں اور پھر وہ سنبھالے بھی نہ سنبھلے۔ یہ ایک بہت بڑی تعلیم تھی جو رسول کریم نے اپنی ازواج پاک کے پردہ میں عورتوں کو دی۔ اب یہ کھوج لگانا کہ وہ کیا راز تھا عبث ہے۔ اس راز کے دریافت کرنے میں جبکہ ہمارا کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ رسول کریم نے بھی بیان نہیں فرمایا پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اس میں جدوجہد کریں اور خواہ مخواہ اپنے عزیز وقت کو ضائع کریں۔ اگر فرض کرو ہمیں راز کا کھوج لگ گیا تو کیا فائدہ ہوا نہ کھوج لگا اور ہم نے اپنے قیاس سے خود بخود سمجھ لیا اور وہ نہ ہوا تو ہماری عاقبت خراب ہوئی۔

غور کا مقام ہے کہ نبی کریم کے خانگی معاملات کی جس طرز سے تصویر اُتاری گئی ہے وہ نہایت درجہ نازیبا ہے۔ اپنے خانگی حالات کو جب پیغمبر خدا نے خود نہیں بیان فرمایا اور بعد ازاں راویوں نے اپنے اقوال کی صداقت جتانے کے لئے اُن روایتوں کی جن کے حقیقی راوی وہ خود تھے ازواج پاک سے نسبت دی سمجھنے کی بات ہے جب رسول کریم نے مرد ہو کے زن و شوئی کے تعلقات نہیں بیان کئے تو اُمہات المومنین عورتیں ہو کے کیوں کر بیان کرتیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس امر پر ایک جماعت کا اتفاق ہو وہ ضرور صحیح بھی ہو ہم مانتے ہیں کہ کم و بیش کل محدثوں مفسروں اور مورخوں نے اختلاف کے ساتھ ان روایتوں کو تسلیم کر لیا ہے جو ازواج پاک کی زبان سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم کیا کریں جب کہ اُن کا اختلاف عظیم خود اُن کے سرتاپا غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہے مثلاً شیعوں نے جو کچھ حضرت بی بی عائشہ کا حال لکھا ہے اُسے سنی کیوں نہیں مانتے اور جو کچھ

شیعوں نے قلمبند کیا ہے اُسے کیوں نہیں تسلیم کرتے اور جو کچھ خارجی کہتے ہیں اُسے یہ دونوں فریق کیوں
نہیں قبول کرتے۔ اس کا جواب غالباً یہی دیا جائے گا کہ ایک فریق دوسرے فریق کی روایات کو غلط سمجھتا ہے
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ بعد ان روایات کا اُس نے حاصل کیا ہے وہی سراسر غلط ہے ثبوت ہر فریق کے
پاس موجود ہے مگر ایک فریق کا ثبوت دوسرے کے آگے صداقت کی کافی شہادت نہیں ہو سکتا مثلاً شیعہ
اسبات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ نبی کریم کی دشمن تھیں اور انہوں نے بی بی حفصہ سے مشورہ
کر کے کئی بار رسول کریم کو زہر دینے کا قصد کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے ان کی آرزو دل کی دل ہی میں رہگئی
سنی اس واقع سے محض انکار کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کو رسول کریم سے کیسی محبت تھی
اور آپ ان پر کس قدر مہربان تھے یہانتک جب آپ پر مرض کا زور ہوا ہے آپ ہی کے مبارک حجرہ میں آپکو
وصال باری تعالےٰ ہوا۔ اب ایک محقق شخص جب ان دو متضاد روایتوں پر نظر کرے گا تو ان سے کیا نتیجہ نکالیگا
اور کس کو صحیح اور کس کو غلط بتائے گا۔ اُسے فی الحقیقت بہت ہی بڑی دقت ہوگی اور جب وہ دونوں کے
ثبوتوں کو دیکھے گا تو اُسے اور بھی پریشانی ہوگی کہ اس ثبوت کا کیا مطلب سمجھے اور کیا رائے قایم کرے۔ یہی
اس وقت ہماری کیفیت ہے اور ہم سخت پریشان ہیں کہ ثبوتوں کو کیونکر تسلیم کریں۔ ہر فریق نے اپنا دعوےٰ
مضبوط کرنے کے لئے خود ان ہی کے زبانی اقوال بیان کئے ہیں تاکہ سننے والیکو پھر کچھ شبہ بھی نہ رہے اور
وہ بے چون وچرا یقین کر لے۔ مگر اس قسم کے اقوال زیادہ تر فریقین کی مخالفت سے پیدا ہو گئے ہیں ورنہ انکے
منضبط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ یہی روایتوں کا دفتر دریا برد کر دینے کے قابل ہے بلکہ
جو ہمارا استشار ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور اصلی اقوال بھی ضرور ہوں گے مگر غلط واقعات اور صریح اتہامات بہت
ہیں۔ جسے عقل کبھی گوارا نہیں کرتی اور ہرگز نہیں خیال آتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو اور ایک جلیل القدر نبی ایسا فعل کرے
جو محض معمولی آدمی کی وضع کے بھی خلاف ہو مثلاً اسی اوپر والی بحث کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ نے رسول
کریم کا راز افشا کر دیا تھا اُس کی نسبت مجمع البیان طبرسی میں جو شیعی گروہ کی بہت معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہوا ہے

لو قیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم الایام بین النساء فلما کان یوم حفصۃ قالت یا رسول اللہ
ان لی الی ابی حاجۃ فاذن لی ان ازورہ فاذن لھا فلما خرجت ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
الی جاریۃ ماریۃ القبطیۃ ام ابراھیم وقد کان اھداھا المقوقس فادخلھا بیت حفصۃ فوقع علیھا فاتت حفصۃ
فوجدت الباب مغلقا فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووجھہ یقطر عرقا
فقالت حفصۃ انما اذنت لی من اجل ھذا ادخلت امتک بیتی ثم وقعت علیھا فی یومی وعلی فراشی ما رایت فی حرمتی
وحقا فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیس ھی جاریتی قد احل اللہ ذلک لی اسکتی وھی حرام علی التمس بذلک رضاک
ولا تخبری بذلک امراۃ منھن وھو عندک امانۃ فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرعت حفصۃ الجدار
الذی بینھا وبین عایشۃ فقالت الا ابشرک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد حرم علیہ امۃ ماریۃ و

قد اراضاہا اللہ منہا واخبرت عائشۃ بما رأت وکانتا متصافیتین متظاہرتین علی سائر ازواجہ فنزلت یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک فاعتزل نساءہ تسعۃ وعشرین یوما وقعد فی مشربۃ ام ابراہیم ماریۃ حتی نزلت آیۃ التخییر وقیل ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلا یوما لعائشۃ مع جاریتہ القبطیۃ فوقفت حفصۃ علی ذلک فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعلمی عائشۃ بذلک وحرم ماریۃ علی نفسہ فاعلمت حفصۃ عائشۃ و استکتمتہا ایاہ فاطلع اللہ نبیہ علی ذلک وہو قولہ تعالی واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنی حفصۃ ولما حرم ماریۃ القبطیۃ اخبر حفصۃ انہ یملک من بعدہ ابو بکر وعمر فعرفہا بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابا بکر وعمر یملکان بعدی وقریب من ذلک ما رواہ العیاشی بالاسناد عن عبد اللہ بن عطاء المکی عن ابی جعفر علیہ السلام الا انہ زاد فی ذلک ان کل واحد منہما حدثت اباہا بذلک فعاتبہما فی امر ماریۃ وما افشتا علیہ من ذلک واعرض ان یعاتبہما فی الامر الآخر انتہی یعنی کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بی بیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں جس دن حضرت بی بی حفصہ کی باری تھی اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں۔ آپ نے اجازت دیدی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیۃً بھیجا تھا بلوایا۔ وہ آئی اور آپ نے اُس سے مقاربت کی پھر حفصہ آگئیں تو انہوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے ہو بیٹھیں۔ پھر حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرہ سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تو نے لونڈی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بستر پر اور تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا۔ حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ خدائے تعالے نے یہ کنیز میرے لئے حلال کی ہے مگر تو خاموش رہ کہ میں اسے آئندہ سے اپنے اوپر حرام کرلیتا ہوں۔ میں صرف تیری رضا کی چاہتا ہوں تو اور بی بیوں سے اس کی خبر نہ کیجو یہ بات تیرے پاس امانت ہے۔ جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے حجروں کے بیچ میں تھی) کرکے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آئندہ سے حرام کرلیا ہے خدا نے ہمیں اس کے فکر سے نجات دی۔ اس کے علاوہ جو کچھ دیکھا تھا اُس کی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دیدی۔ یہ دونوں رسول کریم کی کل ازواج کے مقابل میں باہم جگری دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی اے نبی جو چیز خدا نے تجھ پر حلال کری ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کردی۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بی بیوں سے صحبت ترک کردی اور ماریہ قبطیہ ابراہیم کی ماں کے بالاخانہ پر رہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی حفصہ نے دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اس کا تذکرہ نہ کیجو میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے لیکن

بی بی حفصہ نے کہدیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کردی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر خدائے تعالیٰ نے رسول کریم کو اس پر مطلع کردیا پھر یہ آیت نازل ہوئی واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنی حفصہ اور جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی۔ کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوں گے۔ بعض نے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے جو عیاشی نے بالاسناد عبداللہ بن عطاء المکی اور ابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بی بیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جوں ہی رسول کریم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چوں کہ انہوں نے رسول کریم کا راز افشا کردیا تھا اس سے آپ نے اعراض کیا وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر چپکا گیا ہے۔ اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے۔ سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرہ میں آئے کیوں کہ اس دن اُن کی باری تھی پھر بی بی حفصہ نے کہا کہ مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خاص اسی دن انہیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن اُن کی باری آتی تھی اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن انہیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کے بلایا ہو تاکہ یہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہوگی اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا۔ اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ کو وہاں کیوں بلایا جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جا سکتے تھے اور وہ بہت ہی قریب تھا کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا۔ اور اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ آپ نے اُسے بلایا اور آپ نے اُس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اسقدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ بھی فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے تو عائشہ سے اس کا ذکر نہ کیجو۔ حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ نہ اُن کے حجرہ میں ایسا فعل ہوا اور نہ اُن کے باری کے روز ایسا ہوا پھر اُن سے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔ یہ اس قدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا اور خیال ہو سکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضع کرنے والا کس قدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہوگا۔ اور اگر یہ بھی ہم تسلیم کرلیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کوئی اندیشہ تھا اس لئے آپ نے منع فرما دیا تھا تب بھی اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی۔ یہ تو کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لئے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ کو جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے آج نبی نے اپنے اوپر

حرام کرلیا یا دوسرے الفاظ میں اسے چھوڑ دیا سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایت کے چھپانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا۔ اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہمنے تجھپر حلال کردیا ہے تو اُسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا راز والی آیت کے اُترنے سے آپ ناراض ہوگئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج کی یا ان دو بی بیوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قبطیہ کے برآمدہ یا بالاخانہ میں سکونت پذیر رہے۔ یہ بھی عجیب متضاد مضمون ہے جس کا سر نہ پیر پہلے تو آپ کو اس قدر خوفزدہ بنایا کہ جس کی انتہا نہیں یعنی آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے اوپر حرام بھی کرلی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کرلیا کہ میرے بعد ابو بکر وعمر خلیفہ ہوں گے اور دلیری ہوئی تو استقدر کہ ۲۹ دن ماریہ قبطیہ کے بالاخانہ میں رہے اور کسی دوسری بی بی سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا نہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی منہ سے نکالتی اور ذرا بھی زبان ہلاتی خیال ہو سکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جرأت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کسی بی بی کی پرواہ نہ کرتے تھے اور ایک ہی کے پاس مہینہ مہینہ بھر گزارتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کے مارے اپنی چاہیتی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیتے اور انہیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے۔

ایک صورت تو اس روایت کی یہ ہوئی۔ دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپ نے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ نے راز کھول دیا۔ ہاں اس اختلافی روایت میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ تو اپنے حجرہ میں تھیں اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں اُن کے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ اُن کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا پھر خوف کھانے کے کیا معنی تھے۔ دوسرے حضرت بی بی عائشہ کی باری کے دن بی بی حفصہ کا اُن کے حجرہ میں چلا جانا یہ مطلق سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں جبکہ اسلام میں پردہ ہوگیا تھا اور قرآن مجید میں صاف آگیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازہ کے باہر ہو کے۔ اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئی تھیں تو حضرت ابو بکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں جا سکتی تھیں جس دن جا سکتی تھیں۔ اور اگر یہ کہیں کہ وہ روز اُن کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالاخانہ بنا اور رہنے کے قابل نہ تھا اسلئے آپ یا

تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لیکے چلے آئے۔

ان دو مختلف روایتوں کی یہ توضیح ہے جو ہوسکتی ہے۔ خیال نہیں ہوسکتا کہ شمہ برابر بھی صحیح ہوں جس شخص نے یہ روایتیں موضوع کی ہیں وہ تھا بھی بہت کم عقل کہ اس نے مذکورہ بالا توضیحات پر ذرا بھی غور نہ کی حضرت ابی جعفر سے اس روایت کا نسبت دینا زیادہ مشکل نہیں ہے جبکہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے لاکھوں موضوع حدیثوں کا پتہ لگتا ہے۔ عیاشی ہوں یا کئی۔ شامی ہوں یا مدنی جس نے یہ روایت نقل کی ہے اس میں بوئے اسلام مطلق نہ تھی۔ اب یہ دیکھنا کہ مجمع البیان طبرسی میں یہ روایت کیونکر نقل ہوئی کیوں کہ وہ شیعی مذہب کی ایک معتبر تفسیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ روایت میں وہی مخالفت کی بو آتی ہے جو ابتدا سے سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں پیدا ہوگئی تھی اور جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اسی مخالفت کا سبب تھا کہ آج اسی قسم کی لاکھوں روایتیں جو کبھی بھی صحیح نہیں ہوسکتیں کتابوں میں منضبط ملتی ہیں۔ اول اول مخالفت ملکی تھی مگر بعد ازاں یہی مخالفت مذہبی ہوگئی۔ اور اس سے موضوع روایات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مخالفوں پر تازہ تازہ بہتان اٹھانا اور انہیں بہر صورت ملزم بنانا بلکہ انہیں شب و روز گالیاں دینا مذہب کا جزو اعظم بن گیا۔ قرآن مجید کی آیتوں کو خاص ایک امر کے لئے مخصوص کرنا اور اپنی موضوع روایت کا مطلب نکالنا یہ تیسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہوگیا تھا۔

کسی روایت کے ساتھ کوئی سند ایسی نہیں بیان کی گئی ہے جسے خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑے۔ اور لطف یہ ہے کہ اکثر روایتیں تمدن عرب کے بھی بالکل خلاف ہیں اور ان میں ایرانی تمدن کا رنگ پایا جاتا ہے کیوں کہ اکثر راوی ایرانی نژاد ہیں اور کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ وہ راوی مسلمان بھی تھے یا نہیں۔ عقل شہادت نہیں دیتی کہ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اپنے نانا کے خانگی تعلقات عام طور پر بیان کریں گے اور انہیں ذرا بھی حجاب نہ آئے گا۔ ایسی روایتوں سے اسلام کا بھی تو کوئی اصول نہیں نکلتا تھا اور نہ کسی خاص الجھے ہوئے مسئلہ کی توضیح ہوتی تھی۔ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اس میں شک نہیں کہ اہلبیت کے چراغ تھے اور کاش آپ کی کوئی خاص کتاب یا کوئی نوشتہ ہوتا اس کی صداقت میں پھر کسی طرح بھی کلام نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ سے دوسروں نے جن میں اکثر ایرانی نژاد تھے اور جو مخالفت سے بالکل متاثر ہو رہے تھے یہ روایتیں بیان کی ہیں یہی وجہ ہے کہ بخاری نے جب کئی لاکھ حدیثوں کا انتخاب کیا ہے تو اس اہل بیت کی روایتوں پر زیادہ نظر نہیں کی اس کی وجہ یہی ہے کہ اسے ایسی روایتوں کا ڈھیر ملا جو اہلبیت کی تو نہ تھیں مگر ان کے نام سے رواج پاگئی تھیں اگرچہ اسوقت تک وہ کسی کتاب کی صورت میں منضبط نہ ہوئی تھیں لیکن ان کی اشاعت فریق مخالف میں پورے طور پر ہوگئی تھی۔ اس نے کوشش تو ضرور کی ہوگی کہ ان صحیح روایات کا پتہ لگے جو واقعی ان کی ہوسکتی ہیں مگر ایک مخالف گروہ کی مخالفت کے